اختر

حصّہ اوّل از صفحہ ۹ تا صفحہ ۹۷

حصّہ دوم از صفحہ ۹۷ تا صفحہ ۲۸۳

کتب خانہ تاج آفس محمد علی روڈ

بمبئی ۳

عنوانات

حصّۂ اوّل

		صفحہ
۱	بچھڑوں کا ملاپ	۱۱
۲	دوسرے کمرہ میں	۱۸
۳	خاطر مدارات	۲۳
۴	ناشتہ کی میز	۳۳
۵	تیر نیم کش	۴۲
۶	فیصلہ	۴۶
۷	اعلان	۵۴
۸	ردعمل	۶۱
۹	انکشاف	۶۶
۱۰	شب غم	۷۴
۱۱	اور جب صبح ہوئی	۸۲
۱۲	اور ایک دن	۸۸

طبع اوّل

۱۵	تلاش یار	۲۰۸
۱۶	دید و شنید	۲۱۴
۱۷	شناسائی	۲۲۵
۱۸	پر لطف باتیں	۲۳۰
۱۹	درِ یار	۲۳۵
۲۰	مامتا	۲۴۶
۲۱	اچانک	۲۵۵
۲۲	سازش	۲۶۴
۲۳	پیمان وفا	۲۷۰
۲۴	رنگ میں بھنگ	۲۷۷

حصّہ دوم

		صفحہ
۱	بھکارن	۱۰۰
۲	بانیں	۱۱۱
۳	نیا گھر	۱۱۸
۴	انعام	۱۲۶
۵	آمنا سامنا	۱۳۲
۶	چھیڑ	۱۴۱
۷	دلدل	۱۴۷
۸	خواب شیریں	۱۵۵
۹	موٹر کا حادثہ	۱۶۲
۱۰	غم دل	۱۷۰
۱۱	دل کے زخم	۱۷۵
۱۲	ترک تعلق	۱۸۴
۱۳	عجیب و غریب	۱۹۰
۱۴	ہنگامہ	۱۹۹

باب ۱

بچھڑوں کا ملاپ

ایک شاندار حویلی کا ایک شاندار کمرہ نظر کے سامنے ہے، اعلیٰ درجہ کے ساز و سامان سے آراستہ، بہترین قسم کا فرنیچر، اعلیٰ درجہ کے شیشہ، آلات جھاڑ فانوس، نرم اور ملائم صوفے، ایرانی قالین، دیواروں پر روغنی پالش، کہیں فارسی قطعات، اور عربی آیات آویزاں، کسی طرف خاندان کے بزرگوں کی قد آدم تصویریں نظر فروز، ایک طرف ریڈیو رکھا ہے کمرہ کیا ہے جنت کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔

صوفے پر دو ادھیڑ عمر کی عورتیں بیٹھی ہوئی ہیں۔ بیچ میں ایک خوبصورت اور سحر طراز لڑکی، شرم و حیا کی پتلی بنی بیٹھی ہے، یہ دونوں عورتیں سگی بہنیں ہیں، اور آج کئی برس بعد دونوں ملی ہیں، ساجدہ اس گھر کی مالکہ ہے، ایک برس ہوا شوہر کا انتقال ہو گیا، دو لڑکے مرنے والے، اور محبت کرنے والے شوہر کی یادگار موجود ہیں، احمد اور امجد، احمد بڑا ہے امجد چھوٹا ہے، باپ کے مرنے کے بعد کاروبار کا سارا بوجھ احمد نے اپنے دوش ناتواں پر اٹھا لیا ہے، چھوٹے بھائی امجد کو دل و جان سے چاہتا ہے، دن دن بھر کاروبار کی دیکھ بھال میں لگا دیتا ہے

ورتوں کی باتیں، وہ بھی دوسگی بہنوں کی باتیں، اور بہنیں بھی ایک دوسرے
ر جان چھڑکنے والی، بھلا یہ کہیں ختم ہونے میں آسکتی تھیں،
یہ دونوں بہنیں بیٹھی ہوئی، بڑے انہماک سے محو گفتگو تھیں، کہ
جلی کمرے سے احمد اور امجد آئے، احمد جال مردانہ کا شاہکار، بڑی بڑی
نکھیں، بارعب چہرہ، گداز بدن، شائستہ، اور باوقار، امجد، بھی
سی طرح بھائی سے کم نہ تھا، کتابی چہرہ، پتلے پتلے ہونٹ، لمبی اور
ستواں ناک، گورا رنگ، آنکھوں میں ایک خاص قسم کی جاذبیت
درکشش، باتوں میں ایک مخصوص طرز کی دلکشی اور مقناطیسیت، دونو
..... آئے اور سائرہ کے پاس آکر کھڑے ہو گئے، احمد نے کہا،
"خالہ جان تسلیمات!"
امجد بولا،
"آداب بجالاتا ہوں خالہ جان!"
سائرہ اپنے بڑے پائنچہ کا پاجامہ دونوں ہاتھوں سے سنبھالتی
وئی اٹھیں، اور چٹاچٹ دونوں کی بلائیں لیکر کہنے لگیں،
"اے میں قربان جیتے رہو میرے لال، تمہیں دیکھ لیا، کلیجہ ٹھنڈا
وگیا!"
ساجدہ نے مسکراتے ہوئے بہن سے کہا،
"چلو ہٹو بھی، بھانجوں کو دیکھ لیا، تو محبت آگئی تمہیں، نہیں تو
اس دس برس خبر بھی نہیں لیتیں بے مروت کہیں کی!"
سائرہ نے ڈھلکے ہوئے دوپٹہ کو پھر سے سر پر ڈالتے ہوئے کہا

مگر امجد کو کسی قسم کی زحمت نہیں دیتا، وہ ٹھاٹھ سے نوابی کرتا رہتا ہے، احمد نے ماں کا دل کبھی کبھی میلا نہیں ہونے دیا، شوہر کے غم کو، احمد کی سعادت مندی، اور کارگزاری نے بہت کچھ ہلکا کر دیا تھا، سائرہ ساجدہ کی چھوٹی بہن ہے، شوہر ڈھاکہ میں سپرنٹنڈنٹ پولیس ہیں، وہ جب سے ڈھاکہ گئی تھی، اسے لکھنؤ آنے کا پھر موقع ہی نہیں ملا، کچھ ایسے حالات پیش آتے رہے، کہ دس برس گزر گئے، اور وہ وطن کی صورت نہ دیکھ سکی، حتیٰ کہ بہنوئی کا انتقال ہو گیا، جب بھی نہ آسکی، جب وہ سفر کا سامان کرتی تھی کوئی نہ کوئی حادثہ پیش آجاتا تھا، کہ بندھا ہوا اسباب کھول دینا پڑتا تھا، یہ لڑکی جو بیچ میں بیٹھی تھی، عائشہ تھی، سائرہ کی اکلوتی بیٹی...... جب یہ لکھنؤ سے گئی تھی، تو ۵ برس کی ننھی سی گڑیا تھی، اب دس برس بعد ۱۵ سال کی دوشیزہ بنکر آئی تھی، پہلے وہ ہمک ہمک کر سب کی گود میں چلی جایا کرتی تھی، اب وہ شرمائی ہوئی اور لجائی ہوئی حسن وجمال کا مجسمہ بنی بیٹھی تھی،

دس برس کے بعد، دونوں بہنیں ملی تھیں، اور گھل مل کر باتیں کر رہی تھیں بیٹھی ہوئی، اس دس برس کی مدت میں کیسے کیسے انقلابات آئے، کیسے کیسے تغیرات ہوئے، کس طرح زندگی گزری، کیا کچھ نہ بیت گیا، بس یہی موضوع تھا، جسے دونوں بہنیں، داستان کے رنگ میں ایک دوسرے کے سامنے پیش کر رہی تھیں، باتیں کرتے نہیں تھکتی تھیں بس چلتا، تو اس دن کو اتنا لمبا کر لیتیں کہ یہ اس وقت تک ختم نہ ہوتا، جب تک دونوں بہنیں ایک دوسرے کو اپنا دکھڑا نہ سنا لیتیں، باتیں

انہیں نہ جانے دیجئے یہاں سے!"

دونوں بہنیں ہنسنے لگیں، ساجدہ نے عائشہ سے کہا،

"اے بیٹی اپنے بھائیوں کو سلام نہیں کیا تو نے؟"

سائرہ نے عائشہ کے ایک ٹھونکا چپکے سے لگایا، اور فرمایا۔

"واہ ری شرم، وہ بھی کہیں اور نہیں گھر میں!"

عائشہ، لجاتی ہوئی اٹھی، اور شرمگیں انداز میں اس نے، اپنی نازک اور خوبصورت انگلیاں ماتھے تک لیجا کر، جھکی ہوئی صراحی دار گردن کو خفیف سی جنبش دیتے ہوئے خاموشی کے ساتھ، کھڑے ہو کر دونوں بھائیوں کو سلام کیا، اور پھر اپنی جگہ بیٹھ گئی،

سائرہ نے جل کر کہا،

"اے واہ ری چھوکری تجھے ہو کیا گیا ہے، بھائیوں سے شرماتی ہے ——— ویسے تو پٹا پٹ باتیں کرتی رہے گی، اب چپ لگی ہوئی ہے ——— بھاڑ میں جائے ایسی شرم،"

ساجدہ نے عائشہ کو کھینچ کر اپنے پہلو سے چمٹالیا، اور کہا،

"رہنے دو سائرہ "تم تو ہاتھ دھو کے پیچھے پڑ گئیں، میری بیٹی کے، نئی نئی آئی ہے، شرماتی ہے، کھل ہی جائے گی دو چار دن میں!"

پھر ساجدہ، احمد سے مخاطب ہوئیں،

"بیٹا احمد، میں جانتی ہوں، امجد کے ڈر سے تم ہمیشہ اپنی لائبریری مقفل رکھتے ہو، یہ کتابیں الٹتا پلٹتا رہتا ہے، لیکن میری عائشہ بڑی سلیقہ مند اور شائستہ ہے، اسے کتابوں کا بڑا شوق ہے، جاؤ، ذرا

"آپا یہ نہ کہو، میں کہیں بھی رہوں، دل انہی بچوں میں اٹکا رہتا ہے، (لڑکی کی طرف اشارہ کرکے) عائشہ کے ابا کی نوکری ہی ایسی ہے، نگوڑ... ماری پولیس کے لوگوں کو بھلا چھٹی بھی ملتی ہے کہیں!"

ساجدہ نے کہا،

"کیوں نہیں ملتی، ابا بھی تو کوتوال تھے، وہ تو کبھی دفتر ہی نہیں گئے، گھر ہی کو انہوں نے دفتر بنا لیا تھا، ہفتوں شکار پر رہتے تھے، کسی نے بات بھی نہ پوچھی میاں کہاں غائب ہو ——— یہ کیوں نہیں کہتیں ارشد (سائرہ کے شوہر) کے سامنے بے بس ہو، پہلے تم انہیں تگنی کا ناچ نچاتی تھیں، اب وہ نچاتے ہیں!"

سائرہ کو ہنسی آگئی، اس نے شوہر کی صفائی دیتے ہوئے کہا،

"آپا یہ نہ کہو، وہ بیچارے تو اللہ میاں کی گائے ہیں، بالکل ایسے ہی ہیں، جیسے پہلے تھے، موم کی ناک جدہر چاہوں موڑ دوں، لیکن میں نے کہا نا، مجبوریاں ہی ایسی تھیں کہ وہ نہ آسکے، اب بھی دیکھ لو میں تو قمر کو لیکر کسی طرح چلی بھی آئی، وہ اب بھی نہ آسکے، خدا خیر رکھے، تو مہینہ بھر بعد آئیں گے،"

ساجدہ نے کہا،

"خیر، آتو گئیں تم ——— اب دیکھوں گی کیسے جاؤ گی یہاں سے!"

امجد نے کہا،

"ہاں امی، آپ خالہ جان کو قید کر لیجئے، اور دس برس تک

"تو کیا ہوا خالہ جان، پڑھنے کا شوق ہے، تو پڑھنے دیجئے، جی بھر کے، کتابیں بے ٹھکانہ ہو جائیں گی، میں انہیں ٹھیک کر لوں گا، چلو عائشہ چلیں!"

ساجدہ نے بڑے پیار سے عائشہ کو دھکیلتے ہوئے کہا،

"جاؤ بیٹی شاباش!"

عائشہ بڑے تکلف سے اٹھی، اور سامنے آکر کھڑی ہو گئی، سائرہ سے پھر ضبط نہ ہو سکا،

"اے ہے تو کیا اس انتظار میں ہو کہ احمد تمہارا ہاتھ پکڑ راستہ دکھاتا ہوا لے چلے ——— !"

احمد اور امجد ہنسنے لگے، عائشہ دونوں کے ساتھ لائبریری کی طرف چلی گئی، سائرہ، اور ساجدہ نے پان کا بیڑا کھایا، اور پھر اطمینان و یکسوئی کے ساتھ، اپنی اگلی پچھلی باتوں میں مصروف ہو گئیں،

اسے اپنی کتابیں تو دکھاؤ، جب سے آئی ہے میری بچی چپ چپ بیٹھی ہے!"
احمد نے کہا،
"بسر و چشم، میں لائبریری کی کنجی انہی کے حوالہ کر دوں گا!
چلو عائشہ!"
عائشہ کسمسا کر، پھر خالہ کے پہلو سے لگ کر بیٹھ گئی، سائرہ نے
پھر ڈانٹا،
"اے میں کہتی ہوں، تجھے ہو کیا گیا ہے لڑکی؟ وہ کہہ رہا ہے
چل کتب خانہ دیکھ لے اور تو گڑیا بنی بیٹھی ہے!"
عائشہ نے آہستہ سے بڑی مہین آواز میں گردن جھکائے جھکائے
اپنی ماں کو جواب دیا،
"دیکھ لیں گے"!
"یہی تو کہتی ہوں کب دیکھ لیں گے، وہ تیرا نوکر ہے، جب تو
کہے گی حاضر ہو گا، اٹھ جا، اور اپنی پسند کی کتابیں الگ کر لے!"
پھر وہ احمد سے مخاطب ہوئیں،
"بیٹا، تم آپا کی باتوں میں نہ آجانا، یہ جتنی سیدھی دکھائی دیتی
ہے، اتنی ہی شریر ہے، کہیں تم نے کتب خانہ کی کنجی اسے سونپ
دی تو شاید ہی کوئی کتاب ٹھکانہ پر ملے، بس یہی ٹھیک ہے کہ
دو چار کتابیں ان کی پسند کی انہیں دیدو، یہ اپنے کمرہ میں پڑھ
لیں گی بیٹھ کر انہیں!"
احمد نے مسکراتے ہوئے کہا،

کی، یہ مشہور ناول نگار حکیم محمد علی کی کتاب "نیل کا سانپ" ہے، عائشہ کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گئی، ایک اور الماری سامنے آئی، اس میں ڈپٹی نذیر احمد کی کتابیں تھیں، مرآۃ العروس، توبۃ النصوح، بنات النعش یہ سب کتابیں، عائشہ نے لے لیں، احمد آگے بڑھ رہا تھا کہ عائشہ نے شرماتے ہوئے ایک خاص انداز کے ساتھ کہا،

"بس، بہت ساری کتابیں لے لیں، پہلے انہیں پڑھ لوں پھر اور دیکھوں گی!"

احمد کچھ نئی کتابیں عائشہ کے حضور میں پیش کرنے والا تھا کہ امجد آگیا، اس کے ہاتھ میں کچھ انگریزی رسالے تھے، اور ایک خوبصورت سا البم تھا، اس نے آتے ہی کہا،

"دیکھو عائشہ یہ میرا البم ہے، اس میں تم ایسی تصویریں لیڈروں کی، شاعروں کی، افسانہ نگاروں کی، ایکٹروں کی، ایکٹریسوں کی، مصوروں کی دیکھو گی کہ دنگ رہ جاؤ گی!"

یہ کہہ کر امجد نے البم عائشہ کی طرف بڑھا دیا، اسے لیتے ہوئے، وہ بولی،

"مجھے تصویروں کا بڑا شوق ہے!"

امجد نے حاتمانہ سخاوت کے ساتھ جواب دیا،

"تو یہ البم تمہارا ہو گیا!"

عائشہ پھر شرماتی ہوئی بولی،

"نہیں، لے کر میں کیا کروں گی، تصویریں دیکھ کر واپس کر دوں

باب ۲

دوسرے کمرے میں

عائشہ، احمد اور امجد کے ساتھ، دوسرے کمرہ میں آئی، جسے لائبریری کے طور پر احمد استعمال کرتا تھا، یہ کمرہ بھی بہت عمدہ طرح سے سجا ہوا تھا، شیشہ کی خوبصورت الماریوں کی ایک قطار چلی گئی تھی جن میں مختلف قسم کی کتابیں، طریقہ اور سلیقہ سے رکھی ہوئی تھیں، جلدیں اتنی خوبصورت تھیں کہ خواہ مخواہ کتاب اٹھا کر دیکھنے کو جی چاہتا تھا، احمد نے الماریاں کھول کر عائشہ کو کتابیں دکھانا شروع کیں،

دیکھو بھئی یہ ہے داستان طلسم ہوشربا، عائشہ منہ بنا کر آگے بڑھی احمد نے کہا، یہ دیکھو فسانۂ آزاد، وہ بولی، اسے تو میں دیکھ چکی ہوں، احمد نے ایک اور کتاب پیش کی، دیکھنا یہ ہے، مولانا شرر کی "ایام عرب" بڑی عمدہ کتاب ہے، اسے ضرور دیکھو، عائشہ نے کتاب احمد کے ہاتھ سے لے لی، "جی ہاں اسے ضرور دیکھونگی" ایک اور الماری کے سامنے، عائشہ آکر کھڑی ہو گئی، احمد نے اس کی کتابیں نکالنا شروع کیں، "ہاں بھئی، یہ "حرم سرا" ہے دیکھو گی اسے؟" عائشہ نے کوئی جواب دیئے بغیر کتاب احمد کے ہاتھ سے لے لی، ایک اور کتاب احمد نے پیش

"ابھی سے تم کہاں چلیں، میرے پاس بھائی صاحب کی اتنی لائبریری نہیں ہے، لیکن کچھ خاصہ مال میں بھی رکھتا ہوں، اپنے قبضہ میں، یہ لو"

یہ کہہ کر اس نے ہندوستان کے مشہور اور یگانہ روزگار، ظرافت نگار منشی سجاد حسین کی کتاب "حاجی بغلول" پیش کی، کتاب کے ٹائٹل پر "حاجی بغلول" کی صورت اتنی مضحکہ خیز بنی ہوئی تھی، کہ اسے دیکھ کر، بیساختہ عائشہ ہنس دی، اس مرتبہ اس کی آنکھیں بھی امجد سے چار ہو گئیں، لیکن فوراً جھک گئیں!

ابتک عائشہ بالکل خاموش تھی، اب پہلی مرتبہ، وہ امجد سے شرم و ادا کے ساتھ مخاطب ہوئی،

"کوئی اور کتاب ایسی نہیں ہے"؟

"کیوں نہیں ہے یہ لو!"

یہ کہہ کر امجد نے سجاد حسین کی دوسری کتاب "احمق الذین" پیش کر دی عائشہ نے اسے بھی جوش اشتیاق کے ساتھ لے لیا، وہیں کھڑے کھڑے الٹ پلٹ کر اسے دیکھا، اور کمرے سے باہر جانے کے لئے آگے بڑھی، آگے بڑھتے بڑھتے، اس نے پھر امجد کا شکریہ ادا کرنا چاہا، لیکن صرف "شک" زبان تک آکے رہ گیا، وہ ڈر رہی تھی، کہیں اس کے شکریہ کا مطلب امجد، یہ لے اور زیادہ کتابیں مانگ رہی ہے،

احمد اور امجد کی دی ہوئی کتابیں لیکر عائشہ کمرہ سے چلی گئی، اس کے جانے کے بعد احمد نے امجد سے کہا،

"عجب بے تکے آدمی ہو، یہ "احمق الذین" اور "حاجی بغلول" جیسی کتابیں

گی، آپ نے اتنی محنت سے جمع کیا ہے انہیں!"

امجد نے بے تکلفی کے ساتھ کہا،

"ارے یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ محنت کیسی؟ تصویروں کے جمع کرنے میں محنت کیا ہوتی ہے؟ واہ تم بھی آگئیں تکلف پر، آخر ہو نہ لکھنو کی"

یہ آخری جملہ سنکر بے اختیار عائشہ کے ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا، لیکن اس نے فوراً ہونٹوں کو دانتوں تلے دباکر، اپنے بے اختیار تبسم کو روکنے کی کوشش کی،

پھر امجد نے امریکہ، انگلستان، اور فرانس کے کچھ باتصویر رسالے عائشہ کی طرف بڑھا دیئے،

"لو بھئی، یہ قیمتی سرمایہ بھی ہم تمہیں بخشے دیتے ہیں!"

عائشہ نے اشتیاق کے ساتھ وہ سارے رسالے لے لئے، اور دبی آواز میں کہا،

"شکریہ"

امجد نے مسکراتے ہوئے کہا،

"یعنی اس طرح کے اور بھی بہت سے رسالے لاکر میں تمہیں دوں؟ شکریہ کا یہی مطلب ہے نا؟"

یہ کہہ کر اس نے ایک قہقہہ لگایا، اور عائشہ بھی مسکرانے لگی، اس مرتبہ اس نے اپنی زبان ہونٹوں تلے نہیں دبائی،

عائشہ احمد کی کتابیں، اور امجد کا البم اور رسالے لیکر لدی پھندی آگے بڑھی تھی، کہ امجد نے پھر اسے روکا،

باب ۳

خاطر مدارات

عائشہ جب سے آئی تھی ایک کھلونا بن گئی تھی، قیمتی کھلونا، جس سے بڑی احتیاط کے ساتھ گھر بھر کھیلتا رہتا تھا، ساجدہ اور سائرہ بھی احمد اور امجد بھی۔

گھر میں ابتک احمد اور امجد کی محبت ضرب المثل تھی، بہت زیادہ چاہتے تھے، یہ دونوں ایک دوسرے کو خاص کر احمد تو امجد پر فدا تھا اب اس گھر میں ایک تیسری ہستی آگئی تھی، اور اسے بھی یہ دونوں بھائی، بہت ماننے اور چاہنے لگے تھے، سائرہ یہ دیکھ کر پھولی نہ سماتی تھی، کہ دونوں لڑکے اپنی بہن کا اتنا مان رکھتے ہیں، اور ساجدہ بھی، بہت خوش تھیں کہ دونوں بچے اپنی بہن پر جان دیتے ہیں، بات بھی یہی تھی،

ایک روز عائشہ لائبریری کی الماری میں سے کچھ نئی کتابیں لے کر ابھی ابھی آئی تھی، اور احمد ان کتابوں کو دیکھ کر اسے رائے دے رہا تھا، کہ صرف یہ کتابیں کافی نہیں ہیں، اور بھی بڑی اچھی اچھی کتابیں ابھی کتب خانہ میں موجود ہیں، ان کا مطالعہ بھی کرو، بلکہ چلو

دینے کا کیا مطلب! خود بھی بد ذوق ہو، اور دوسروں کو بھی بد ذوق بنانا چاہتے ہو!"

امجد نے شوخ لہجہ میں کہا،

"بھائی صاحب بات یہ ہے کہ آپنے توبۃ النصوح اور مرأۃ العروس دی، میں نے احمق الذین اور حاجی بغلول پیش کر دی، آپ کی کتابوں سے جو خشکی پیدا ہوتی وہ میری دی ہوئی کتابوں سے دور ہو جائے گی! اور اس طرح ایک توازن پیدا ہو جائے گا!"

احمد ہنس پڑا، اس نے کہا،

"سٹریر کہیں کا!"

پھر اسنے اپنی جیب سے ایک نہایت قیمتی طلائی گھڑی نکالی، اور امجد کو دیتے ہوئے کہا،

"یہ لو، بہت دنوں سے تم گھڑی کا تقاضہ کر رہے تھے، پسند ہے"

امجد نے بچوں کی طرح، بھائی کے ہاتھ سے گھڑی لی، اسے لوٹ پوٹ کر دیکھا، اور کہا،

"ہاں بہت اچھی ہے!"

پھر شکر گزار نظروں سے بھائی کو دیکھتے ہوئے گھڑی اس نے اپنی کلائی پر باندھ لی،

یہ دیکھ کر کہ گھڑی امجد کو پسند آئی ہے، احمد کا چہرہ دفور مسرت سے کھل اٹھا، ایسا معلوم ہو رہا تھا، اسے کوئی بہت بڑی دولت مل گئی!

"بس وہی لائبریری، وہی کتابیں، وہی پڑھنا لکھنا!"

احمد نے کہا،

"تجھے تو ہر وقت تھیٹر اور بائسکوپ کی سوجھتی ہے، تو کیا جانے پڑھنے لکھنے میں کیا مزہ ہوتا ہے!"

امجد نے کہا،

"بھیا ایک بات کہوں؟"

"کہو؟"

"مان لوگے میری بات"؟

"تو اپنی کون بات منوائے بغیر چھوڑتا ہے یہ تو بتا!"

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن وعدہ کرلو"

"کاہے کا وعدہ"

"یہی کہ میری بات مان لوگے تم"!

احمد نے کہا،

"پہلے بات بتاؤ!"

امجد نے بچوں کی طرح ضد کرتے ہوئے کہا،

"نہیں پہلے وعدہ کرو"

عاجز آکر احمد بولا،

"وعدہ کرتا ہوں، کہو"!

امجد نے پھر اٹھلاتے ہوئے کہا،

"ایک دفعہ اور!"

علامہ راشد الخیری کی کچھ نئی کتابیں آج ہی لایا ہوں، وہ بھی لے لو"
راشد الخیری کی کتابیں، عائشہ بڑے شوق سے پڑھا کرتی تھی،
ان کی کتابوں کا نام سنکر وہ اٹھی تھی کہ امجد آگیا، اس نے کہا،
"عائشہ، آؤ میرے ساتھ!"
عائشہ نے اجازت طلب نظروں سے احمد کی طرف دیکھا، احمد
ابھی کوئی جواب نہیں دے پایا تھا کہ امجد نے کہا،
"آپ بھی آیئے بھیّا!"
دونوں امجد کے کمرے میں آئے، اس نے ایک ریکارڈ میز پر سے
اٹھایا، اور کہا،
"یہ جانکی بائی کا ریکارڈ ہے، میں تو جب اسکا گانا سنتا ہوں جھوم
جھوم جاتا ہوں!"
یہ کہہ کر، اس نے ان دونوں کی طرف دیکھے بغیر، ریکارڈ باجہ
پر لگایا، اور سوئی چلادی، ریکارڈ بجنے لگا،
تو چپ کے چپ کے بول مینا ——————
امجد خوش تھا، عائشہ بے خود تھی، احمد بے کیف تھا، ریکارڈ
ختم ہوا، تو احمد نے کہا،
"اسی لئے بلایا تھا تم نے؟"
"جی بھیّا!"
"بے وقوف کہیں کے —————— چلو عائشہ!"
امجد نے جھلا کر کہا،

احمد بولا،

"انہیں عائشہ کو کچھ نئی کتابیں لایا ہوں وہ دکھا رہا ہوں!"

ساجدہ نے کہا،

"تم تو مزے میں بیٹھے کتابیں دیکھ رہے ہو، اور میرے سر پر کیا مصیبت ڈال دی تم نے یہ بھی کچھ خیال ہے!"

احمد نے حیرت کے ساتھ کہا،

"کیا ہوا امی"؟

ساجدہ نے کہا،

"ہوتا کیا، یہ امجد کو تم نے کیا پٹی پڑھا دی ہے وہ تو تھیٹر کے ٹکٹ لینے گیا ہے ہم سب کے!"

"کیا حرج ہے امی، روز روز تو ہم سیر تماشہ سے دلچسپی نہیں لیتے کبھی کبھی میں تو کوئی مضائقہ نہیں ——— امجد بہت اصرار کر رہا تھا، اور آپ جانتی ہیں، اس کا اصرار مجھ سے ٹالا نہیں جاتا، اپنی ہر بات ضد کر کے منوا ہی لیتا ہے مجھ سے!"

"یہی تو کہتی ہوں، تم اسے خراب کر کے رہو گے، غضب خدا کا کسی سے دبنا جانتا ہی نہیں، تم نے لاڈ پیار کر کے اور اسے سر چڑھا لیا کیوں دی تم نے اسے اجازت؟"

"امی، میں ——— جانتا ہوں، میرا بھائی کتنا شریف اور سعادت مند ہے، میں اس کا بڑا بھائی ہوں، میں ہی اس کی ضد پوری نہیں کروں گا، تو کون کرے گا، ماں کی گود اور بھائی کا دامن

"کیا ایک دفعہ اور بے وقوف"

"وعدہ! ایک دفعہ اور وعدہ کر لو"

"ایک مرتبہ نہیں سو دفعہ وعدہ کرتا ہوں، کچھ منہ سے کہو تو!"

"پکی رہی!"

"ہاں ہاں پکی رہی!"

"آغا حشر کی کمپنی آئی ہوئی ہے، بڑا اچھا کھیل دکھایا جا رہا ہے "دل کی پیاس"!"

"تو؟"

"وہی دیکھیں گے!"

"جاؤ دیکھ آؤ!"

"نہیں اکیلے نہیں!"

"پھر؟"

"آپ بھی!"

"میں بھی، عائشہ بھی، امی بھی، خالہ بھی سب چلیں گے، جاؤ، سیٹ رزرو کرا لو جا کے ابھی!"

امجد خوش خوش ٹکٹ کا بندوبست کرنے چلا گیا، اور احمد نے عائشہ کو لائبریریوں میں نئی نئی کتابیں دکھانا شروع کیں، اتنے میں ساجدہ بیگم آ گئیں، ان کے ساتھ سائرہ بھی تھیں، ساجدہ نے احمد سے کہا،

"کیا کر رہے ہو بیٹا"؟

اس کی باتیں سننے لگی، باتیں کرتے کرتے احمد نے گفتگو کا موضوع بدلا، اور کہا،

"عائشہ یہ تو بتاؤ، تمہیں ڈھاکہ اچھا لگتا ہے یا لکھنؤ؟"

عائشہ نے کچھ دیر خاموش رہ کر کہا،

"لکھنؤ!"

احمد نے پھر سوال کیا،

"تمہیں وہاں کا گھر اچھا لگتا ہے یا یہاں کا"؟

عائشہ بولی،

"یہاں کا!"

احمد کے چہرہ پر سرخی دوڑ گئی، اس نے پھر سوال کیا:

"کیوں کیا بات ہے یہاں؟"

عائشہ بولی،

"وہاں صرف ابا اور اماں ہیں، یہاں خالہ جان ہیں، امجد بھائی ہیں، آپ ہیں ——— اسی لئے!"

احمد کا چہرہ دمکنے لگا، اس نے پوچھا،

"یہاں تمہاری طبیعت گھبراتی تو نہیں!"

عائشہ نے معصومیت کے ساتھ کہا،

"پہلے گھبراتی تھی اب نہیں گھبراتی"!

"کیوں نہیں گھبراتی؟"

عائشہ نے سادگی کے ساتھ جواب دیا،

"پہلے میں نئی نئی تھی، اس لئے گھبراتی تھی، اب مانوس ہو گئی

یہی دو تو پناہ گاہیں ہیں اس کی!"

سائرہ نے بہن سے کہا،

"آپا سچ، احمد جتنی محبت امجد سے کرتا ہے، میں نے کسی بھائی کو اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا، دونوں کی عمر میں بھی کچھ زیادہ فرق نہیں ہے بس یہی دو چار برس کا ہوگا، لیکن کیا کوئی باپ اپنی اولاد کو اتنا چاہے گا، جتنا یہ امجد کو چاہتا ہے، کیا میں دیکھتی نہیں رہتی ہوں، روز اس کے لاڈ امجد کے تماشے!"

ساجدہ نے خوشی کی آہ بھرتے ہوئے کہا،

"یہ اسی کا دم ہے جو اتنے بڑے کاروبار کو اپنے باپ کے سنبھالے ہوئے ہے، اور بھائی کا تو واقعی یہ پروانہ ہے!"

احمد نے عائشہ سے کہا،

"ہاں بھئی تم اپنا کام کرو، اماں تو یونہی مجھے بناتی رہتی ہیں!"

ساجدہ بولی،

"لو اور سنو، میں بناتی ہوں اسے، اے لڑکے اب تو مجھ سے بھی مذاق کرنے لگا!"

احمد نے ایک قہقہہ لگایا، سائرہ نے بہن سے کہا،

"چلو آپا، چلیں"

دونوں بہنیں چلی گئیں، اور احمد نے عائشہ سے مختلف مصنفوں کے طرز تحریر ان کی کتابوں کے افادی اور خصوصی پہلو اور بعض دوسرے علمی مسائل پر گفتگو شروع کر دی، اور وہ بڑی دلچسپی اور انہماک سے

گھس آیا، اور بولا،

"مل گئے!"

احمد نے اس کی طرف دیکھا، اور خاموش رہا، امجد نے پھر کہا،

"بڑی مشکل سے ملے!"

احمد نے پوچھا،

"ٹکٹ؟"

امجد نے عائشہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا،

"ہاں بھیّا ——— اگر ۵ منٹ اور دیر سے پہونچتا، تو ایک ٹکٹ بھی نہیں ملتا، سارا لکھنؤ ٹوٹا پڑ رہا ہے، بعض لوگ تو کہتے تھے، سقّوں نے اپنی مشکیں بیچ بیچ کر، اور فقیروں نے بھیک بھیک مانگ کر یہ کھیل بار بار دیکھا ہے، اور ابتک دیکھے جا رہے ہیں!"

عائشہ نے حیرت کے ساتھ پوچھا،

"سچ"؟

احمد نے ایک تبسم کے ساتھ کہا،

"ہاں، سچ ہی ہوگا، تمہیں اس پر تعجب کیوں ہو رہا ہے، یہ لکھنؤ ہے لکھنؤ

خدا آباد رکھے لکھنؤ کو پھر غنیمت ہے!"

امجد نے دوسرا مصرعہ پڑھا،

نظر کوئی نہ کوئی اچھی صورت آ ہی جاتی ہے

عائشہ زیر لب مسکرانے لگی، احمد نے کہا،

ہوں، جی لگ گیا!"

احمد اسوقت ایک وکیل کی طرح سوال کر رہا تھا، اسنے پوچھا،

"یہاں سے جانے کا جی تو نہیں چاہتا!"

عائشہ نے کہا،

"نہیں ——— میں تو دعا مانگا کرتی ہوں، اللہ کرے ابا میاں کا تبادلہ یہیں کا ہو جائے!"

یہ الفاظ سنکر احمد کے چہرہ کی خوشی اور بڑھ گئی، اس نے کہا،

"اللہ میاں اگر تمہاری دعا قبول کرلیں، تو تمہیں بڑی خوشی ہوگی کیوں؟"

عائشہ نے اپنے ناخنوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا،

"جی بہت!"

"اتنا جی لگ گیا ہے یہاں؟"

"اور نہیں کیا، اپنا گھر اپنا ہی گھر ہے!"

احمد نے ایک پنہاں بیتابی کے ساتھ پوچھا،

"تم اسے اپنا گھر سمجھتی ہو؟"

اس کے جواب میں خود عائشہ نے سوال کیا،

"کیا یہ اپنا گھر نہیں ہے!"

احمد کو گویا بہت بڑی دولت مل گئی، اس نے جواب دیا،

"کیوں نہیں ہے ضرور ہے!"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ امجد خوشی کے عالم میں درانہ کمرہ میں

باب ۴

ناشتہ کی میز

سب لوگ ناشتہ کر کے اٹھ چکے تھے، لیکن امجد اور عائشہ بدستور بیٹھے رہے، دونوں میں وہیں بیٹھے بیٹھے باتیں ہونے لگیں،

امجد نے کہا،

"رات کا کھیل پسند آیا"؟

عائشہ اب ذرا بے تکلف ہو چکی تھی، امجد کی شوخیوں اور بیباکیوں نے بہت جلد احمد کے مقابلہ میں عائشہ کو اپنے سے بے تکلف بنا لیا تھا، وہ زیر لب تبسم کے ساتھ بولی،

"بڑا اچھا تھا کھیل! آپ بتائیے آپ کو بھی اچھا لگا؟"

"اجی میرا کیا ذکر، میں تو اس کھیل کو کئی مرتبہ دیکھ چکا ہوں"

"کیوں دیکھتے رہتے ہیں، اتنے زیادہ کھیل آپ؟ گھر میں ٹکتے ہی نہیں!"

امجد نے ذرا شوخ نظروں سے عائشہ کو دیکھا اور کہا،

"گھر میں ٹکوں کیا خاک، یہاں دلچسپی ہی کیا ہے؟ بھیا کو کاروبار سے فرصت نہیں، امی اور خالہ کو اپنی داستانوں سے فرصت نہیں تھیں

"پھر وہی بے تکی باتیں، یہ دوسرے مصرعہ کی فرمائش آپ سے کس نے کی تھی؟ ——— بس جائیے تشریف لے جائیے!"

امجد مسکراتا ہوا کمرہ سے بھاگ گیا، عائشہ بدستور مسکرا رہی تھی۔

"نا بھئی، عزت کی جاتی ہے، بڑوں کی، بزرگوں کی، بھیّا ہیں تو مجھ سے صرف تین برس بڑے لیکن خدا نے انہیں بزرگ بنا دیا ہے، ان کی کر دو عزت خوب جی بھر کے، میں تو ایک خاکسار انسان ہوں، میری عزت یہی ہے کہ ہنسی ہو، مذاق ہو، قہقہے ہوں، چہچہے ہوں، اور کیا!"

"امی تو کہتی ہیں، زیادہ باتیں کرنا برا ہوتا ہے!"

"امی سے زیادہ باتیں نہ کیا کرو، میں تو نہیں کہتا، مجھ سے کیوں جھجکتی ہو؟"

عائشہ خاموش رہی، امجد نے کہا،

"دل کی پیاس کا مطلب بھی سمجھیں تم؟"

"جی؟"

"یعنی رات جو کھیل دیکھا، تم نے وہ سمجھ میں بھی آیا تمہاری!"

"اے واہ، آخر آپ مجھے بالکل بچہ سمجھتے ہیں کیا، اتنی بڑی ہو گئی اور کھیل تماشے بھی نہیں سمجھتی میں"؟

"کیا سمجھیں بتاؤ؟"

"جو کچھ دکھایا گیا سب کچھ سمجھ لیا!"

"وہی تو پوچھتا ہوں کیا!"

عائشہ شرمائی ہوئی بولی،

"اونھ ہم نہیں بتاتے!"

امجد نے کہا،

"واہ بھئی اس میں شرمانے کی کیا بات ہے؟ بتاؤ نا کیا سمجھیں تم"

کتابوں اور رسالوں سے فرصت نہیں، اور مجھے نہ کاروبار سے دلچسپی، نہ داستانوں کا شوق، نہ کتابوں سے ذوق، اب تم ہی بتاؤ یہاں رہ کر میں سوا ناخواندہ مہمان بننے کے اور کر کیا سکتا ہوں؟"

عائشہ نے نظریں نیچی کئے کئے جواب دیا،

"ہر وقت تھوڑی کتابیں پڑھتی رہتی ہوں!"

"کتاب نہیں پڑھتیں، تو امی جان کی گود میں جا بیٹھتی ہو"

وہ مسکرائی اور کہنے لگی،

"میرا جی بھی تو گھبرایا کرتا ہے، نہ کوئی ہر وقت کتابیں پڑھ سکتا ہے نہ اماں ابا کے پاس بیٹھ سکتا ہے، کوئی بات کرنے والا ہی نہیں ملتا، اس گھر میں؟"

"اجی باتیں کرنے کا جہاں تک تعلق ہے میں سب سے آگے ہوں، لیکن تم تو مجھے کسی لائق ہی نہیں سمجھتیں"!

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں"؟

"اور کیا اسی لئے تو باہر رہتا ہوں زیادہ تر!"

"میرے دل میں تو آپ کی بڑی ——————"

امجد نے بات کاٹ کر کہا،

"عزت ہے! کیوں نا؟ —————— نا بابا یہ عزت وزت مجھے نہیں چاہیئے، عزت تو تم بھیا کی کرو، مجھے تو بے تکلفی چاہیئے، برابری، مساوات"

عائشہ نے مسکراتے ہوئے کہا،

"تو عزت کرنا کچھ برا ہے؟"

"میرا جی، نہیں بیٹھتی میں!"

"اسی لئے نا کہ خفا ہو"؟

"میں کیوں خفا ہونے لگی کسی سے؟"

"ضرور، خفا ہو، اور اگر تم چلی گئیں، تو میں بھی اس گھر میں قدم نہیں رکھنے کا!"

عائشہ بیٹھ گئی، اس نے کہا،

"یہ بھی اچھی زبردستی ہے، آپ تو پریشان کر دیتے ہیں بعض وقت"

"جیسا کرو گی ویسا بھرو گی!"

"کیا کیا میں نے؟"

"پریشان کرو گی تو پریشان ہونا بھی پڑیگا!"

"خدا نہ کرے میں کسی کو پریشان کروں!"

"خدا کرے تم ہمیشہ مجھے پریشان کرتی رہو"

یہ لفظ روانی اور بے تکلفی میں امجد کہہ تو گیا، لیکن عائشہ کے چہرہ کی سرخی اور گھبراہٹ دیکھ کر وہ محسوس کرنے لگا، یہ جملہ اس نے ابھی قبل از وقت کہہ دیا ہے، وہ ڈرنے لگا کہیں اس کا اثر حسب دلخواہ ہونے کی بجائے الٹا نہ ہو، اس نے فوراً کہا،

"یعنی مطلب یہ کہ تمہاری طرح خفا تھوڑے ہو جاتا ہوں، چاہے جتنا کوئی پریشان کرلے، میں تو بس ہنستا ہی رہتا ہوں!"

امجد کے بات بنانے کو عائشہ سمجھ گئی اور مسکرا دی، امجد نے محسوس کیا، ردعمل مخالفانہ نہیں ہے، عائشہ نے اس کے اطمینان میں

عائشہ نے کوئی جواب نہیں دیا، امجد نے پھر پوچھا،

"بتاؤ نا"

عائشہ لجاتی ہوئی بولی،

"بس یہی سمجھے ——— دل کی پیاس!"

امجد نے ایک فرمائشی قہقہہ لگایا، اور کہا،

"خوب سمجھیں، بہت خوب سمجھیں، کیا کہنا ہے تمہاری سمجھ کا، ہم بھی قائل ہو گئے بھئی!"

عائشہ نے منہ بنا کر کہا،

"یہ لیجئے، آپ تو میرا مذاق اڑانے لگے!"

امجد نے کہا،

"مذاق تو میں تمہارا نہیں اڑا سکتا لیکن بات تم نے ایسی کہی ہے کہ مزہ آگیا واللہ ——— دل کی پیاس کا مطلب دل کی پیاس! ——— بہت خوب!"

عائشہ نے روٹھتے ہوئے کہا،

"اچھا میں جاتی ہوں!"

امجد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پھر کرسی پر بٹھا دیا اور کہا،

"خفا ہو گئیں تم تو"

عائشہ نے اسی روٹھے ہوئے انداز میں کہا،

"نہیں اب مجھے جانے دیجئے!"

"آخر کیوں؟"

"اب تمہیں کون سمجھائے، تم غیروں کو کیوں چھیڑتے ہو، جو برا مان سکتے ہیں، مجھے چھیڑ لیا کرو!"

امجد نے اٹھلاتے ہوئے کہا،

"نہیں بھیا، آپ کے چھیڑنے میں مزہ نہیں آتا، آپ تو روٹھتے نہیں ——— چھیڑ کا مزا تو روٹھنے کے ساتھ ہے!"

احمد نے عاجز آ کر، محبت بھرے لہجہ میں کہا،

"اچھا بھائی، جو تیرا جی چاہے کر، میں تو تجھے سمجھا نہیں سکتا!"

یہ کہہ کر، وہ کمرہ سے باہر نکل گیا، اور امجد بھی اپنے کمرہ میں چلا گیا!

احمد نے مسکراتے ہوئے عائشہ کے چہرہ پر نظر ڈالی، واقعی، وہ روٹھی جا رہی تھی، لیکن، دونوں بھائیوں کو اپنی طرف مخاطب دیکھ کر وہ جھینپ سی گئی، اور مسکرا دی، امجد نے زور سے نعرہ لگایا،

"دیکھو دیکھو وہ ہنسی آئی وہ غصہ اترا!"

اور اب واقعی، عائشہ سچ مچ مسکرا دی تھی، یہ مسکراہٹ جھینپ کی مسکراہٹ نہیں تھی، انشاط قلب کی تھی،

احمد اور امجد دونوں ہنسنے لگے، عائشہ اٹھی اور مسکراتی ہوئی کمرہ سے چلی گئی اس کے جانے کے بعد، احمد نے کہا،

"عائشہ کو زیادہ نہ چھیڑا کرو، وہ ہمارے گھر میں مہمان ہے کہے گی، ہمیں بناتے ہیں!"

"یہ بات نہیں ہے بھیا ——— میں بناتا بالکل نہیں، ہاں چھیڑتا ہوں، چھیڑنے میں کیا حرج ہے،

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد"!

احمد نے کہا،

"پھر وہی بے وقوفی!"

امجد نے ضد کرتے ہوئے کہا،

"بھیا میں مجبور ہوں، اگر کسی میں بننے کی صلاحیت ہے، میں اسے ضرور بناؤں گا، اگر چھیڑنے سے کوئی روٹھتا ہے، مجھ سے پھر چھیڑے بغیر نہیں رہا جاتا!"

احمد نے کہا،

ہوتی رہتی، لیکن احمد کی کسی بات سے وہ چونکی نہیں، اس کے چہرہ پر سرخی کی لہر نہیں دوڑی، اس کی آنکھیں شرم سے جھک نہیں گئیں، حالانکہ امجد کے ساتھ کی گفتگو میں بارہا یہ مراحل سامنے آچکے تھے، وہ احمد کی بہت عزت کرتی تھی، اس کی قابلیت کا لوہا مانتی تھی، اس کی شرافت محبت اور خلوص کا کلمہ پڑھتی تھی، لیکن اس نے کبھی یہ نہ سوچا، یہ مجھے اچھی اچھی کتابیں دینے والا شخص، یہ میری خاطر مدارات میں ہر وقت منہمک رہنے والا، انسان یہ میرے اشاروں کو سمجھ کر ان کی تعمیل کرنے والا آدمی میرا پجاری ہے، اس نے کبھی یہ نہ دیکھا، کہ اس کی آنکھوں میں دل جھلکتا رہتا ہے، وہ صرف یہ سمجھتی تھی کہ میں اس گھر میں سب سے چھوٹی ہوں ماں کی دلاری اور خالہ کی چہیتی ہوں، لہٰذا گھر کا ہر فرد میرے اوپر پروانہ وار قربان ہوتا ہے، احمد کے بارے میں بھی اس سے زیادہ کبھی کچھ سوچ نہ سکی، ہاں امجد کا خیال جب وہ کرتی تھی، اس کی باتیں جب اسے یاد آتی تھیں، اس کے لطیفے اور قہقہے جب اس کے کانوں میں گونجتے تھے، تو ایک کشش سی وہ امجد کی طرف محسوس کرنے لگتی تھی، دل کچھ دھڑکنے لگتا تھا، سانس کچھ تیز ہو جاتی تھی، جی کچھ گھبرانے سا لگتا تھا، بس اس سے زیادہ کچھ نہیں،

احمد نے بارہا یہ سوچا کہ کسی روز عائشہ کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دے، بتا دے اسے کہ تم میرے دل کی ملکہ ہو، تمہارے بغیر میری زندگی بیکار اور سونی ہے، لیکن جب بھی اس نے یہ سوچا، اس کی زبان گنگ ہو گئی، اور وہ کوشش کرنے کے باوجود کچھ نہیں کہہ سکا،

باب ۵

تیر نیم کش!

احمد نے جب سے عائشہ کو دیکھا تھا، اس کی نگاہوں کا تیر دل میں ترازو ہو چکا تھا، اس تیر نیم کش کی لذت وہ پہلے ہی دن سے محسوس کر رہا تھا، اور رفتہ رفتہ یہ لذت بڑھتی چلی جا رہی تھی، وہ عائشہ کو دل و جان سے چاہنے لگا تھا، وہ دل ہی دل میں اس کی پرستش کرتا تھا، لیکن دل کی بات زبان پر لانے کا اسے کبھی حوصلہ نہیں ہوا، وہ عائشہ کے عشق کو دل ہی دل میں پروان چڑھا رہا تھا، اس نے اپنے دل کو ایک مندر بنا لیا تھا، اور اس مندر میں اس نے عائشہ کی تصویر بسا رکھی تھی، جسے وہ بڑے چاؤ پیار سے پوجا کرتا تھا، نہ کوئی اس مندر کو جانتا تھا، نہ اس مندر کی مورتی کو، نہ اس کے پجاری کو، یہ ایسا مندر تھا، جو لوگوں کی نگاہوں سے مخفی تھا، ایسی مورتی تھی جسے کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا، ایسا پجاری تھا جسے پوجا کرتے کوئی کبھی نہ دیکھ سکا، خود مورتی اپنے پجاری کے حال سے بے خبر تھی،

عائشہ احمد کے پاس گھنٹوں بیٹھتی تھی، اپنے وقت کا بڑا حصہ اس کی لائبریری میں صرف کرتی تھی، پھر دونوں میں گفتگو ہوتی، اور

اس سے قبل کئی مرتبہ، احمد کی شادی کا سوال اٹھا تھا، لیکن ہر مرتبہ اس نے اسے وبا دیا تھا، وہ اپنی ماں سے کہا کرتا تھا کہ شادی ہر وقت ہو سکتی ہے، لیکن ابا جان کے انتقال کے بعد کاروبار کی حالت نہ سدھاری گئی تو شاید پھر کبھی نہ سنبھل سکے گی، میرا فرض یہ ہے کہ پہلے میں گرتے ہوئے کاروبار کو سنبھال لوں، پھر شادی کر لوں گا، کہیں بھاگا تھوڑی جاتا ہوں، اور اب وہ سوچا کرتا تھا، کہ میں اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو چکا ہوں نے گرتے ہوئے کاروبار کو سنبھال کر اسے مضبوط اور مستحکم ترین بنیادوں پر قایم کر دیا، پھر اب امی کیوں خاموش ہیں، وہ کیوں میری شادی کا سوال نہیں اٹھاتیں؟ آخر وہ چاہتی کیا ہیں، بوڑھا ہو جاؤں گا جب کریں گی میری شادی، ۲۴ سال کی عمر تو ہو گئی میری،

لیکن یہ سوچتے سوچتے اسے یہ بھی یاد آجاتا تھا، کہ ماں کی گود ابتک اس کے لئے جنت ہی ثابت ہوتی رہی ہے، یہاں سے اس نے جو مانگا ہے، وہ پایا ہے، جو چاہا ہے وہ لیا ہے، اب بھی میں جو کچھ مانگوں گا، پالوں گا، جو کچھ چاہوں گا حاصل کر لوں گا، لیکن کس طرح؟ میں ان سے عائشہ کے بارے میں کس طرح کہوں گا؟ نہ جانے وہ کیا سمجھیں؟ نہ جانے وہ کیا کہہ بیٹھیں؟ نہ جانے خوش ہوں یا خفا ہو جائیں؟

پھر اس کے سامنے، امجد کی تصویر آئی، شریر، لیکن محبت کرنے والا بھائی، اس نے سوچا بہتر یہ ہے کہ امجد کو ذریعہ بنایا جائے، اس کی باتوں کا کوئی برا نہیں مانتا، وہ شرارت شرارت، اور مذاق مذاق میں جو چاہتا ہے کہہ گزرتا ہے، اسے اگر میں رازدار بنالوں، تو وہ

اماں کا عندیہ، اور خالہ کی رائے بآسانی معلوم کر سکتا ہے، لیکن صرف اماں، اور خالہ راضی بھی ہو جائیں، تو کیا ہوگا، میں جبر کی شادی نہیں پسند نہیں کرتا، میں خوشی اور محبت کی شادی پسند کرتا ہوں، ان دونوں سے پہلے مجھے خود عائشہ کی مرضی معلوم ہونی چاہیئے، اگر وہ مجھ سے شادی کر کے خوش رہ سکتی ہے، تب ہی مجھے اس معاملہ کو آگے بڑھانا چاہیئے، ورنہ میں اس کی معصوم زندگی پر مسلط ہونا نہیں چاہتا، پھر عائشہ کی مرضی کس طرح معلوم ہو؟ بہنیں ایسے ہی موقعوں پر کام دیتی ہیں، آج میری کوئی بہن ہوتی، تو کس مزے میں وہ عائشہ کا دل ٹٹول لیتی، لیکن بہن نہیں ہے بھائی تو ہے، امجد، بھائی اور بہن دونوں کے کام انجام دے سکتا ہے وہ جس طرح اماں سے خالہ سے اور مجھ سے بے تکلف ہے، اسی طرح وہ عائشہ سے بھی بے تکلف ہے، وہ ہنسی ہنسی، اور چھیڑ چھیڑ میں بڑی آسانی سے عائشہ کا دل ٹٹول سکتا ہے، وہ میرا کہنے ماننے سے انکار نہیں کر سکتا، میں اس سے کہوں گا، تو ضرور وہ میرے اس کام کو خوشی اور مستعدی کے ساتھ انجام دے گا، انجام تو دے لے گا، لیکن اس شیطان سے بات کرنا بھی تو مشکل ہے، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ مجھی کو بنانا شروع کر دے، اونھ کوئی حرج نہیں، مجھے اسی پر بھروسہ کرنا ہے، اور اسی سے یہ کام لینا ہے، اور کوئی اس کام کو خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام نہیں دے سکتا، بس ٹھیک ہے کسی روز موقعہ دیکھ کر امجد ہی کو اپنا ہمراز بناتا ہوں!

بندوبست کرتی ہوں، یہ گھر سونا پڑا ہے، احمد کی بیوی اس ویرانہ کو آباد کردے گی،

ساجدہ بیگم یہی باتیں سوچ رہی تھیں بیٹھی ہوئی کہ سائرہ نے آکر بہن کے سامنے سے پاندان کھینچا، اور پان بنانے لگیں، بیٹھکر، پہلے تو انہوں نے کا بیڑا بہن کی طرف بڑھا دیا، پھر نہایت خود اطمینان سے اپنے منہ میں رکھا، اور پاندان بند کرکے بہن کی طرف اسے پھر کھسکاتے ہوئے بولیں،

"اُن کا خط آیا ہے؟"

"ارشد کا خط!"

"اے ہاں اور کس کا"؟

"خیریت تو ہے سب!"

"ہاں خیریت ہے، پندرہ بیس دن کے بعد آنے کو لکھا ہے!"

"شکر ہے، آنے کا ارادہ تو کیا!"

"لکھا ہے، مہینہ بھر کی چھٹی بڑی مشکل سے ملے گی!"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ڈیڑھ دو مہینہ کے بعد، تم پھر ڈبا کہ چلی جاؤ گی!"

"اور کیا آپا!"

"دیکھو سائرہ یہ نہیں ہونے کا میں تمہیں سال بھر سے پہلے ملنے نہیں دوں گی یہاں سے سن لو کان کھول کر"

"آپا میرا بس چلے تو زندگی بھر تمہاری جوتیوں میں پڑی رہوں، لیکن

باب ۶

فیصلہ

احمد تو اس ادھیڑبن میں گرفتار تھا، ادھر ساجدہ کے دل میں بھی یہی خیال طوفان بنکر اٹھ رہا تھا، وہ سوچ رہی تھیں ماشاءاللہ احمد جوان ہو چکا ہے، شادی ہو چکی ہوتی تو اب تک دو بچوں کا باپ ہوتا لیکن اس نے ماں اور بھائی کی محبت میں اب تک شادی نہیں کی، اب خدا کے فضل سے کاروبار سنبھل چکا ہے، اب اس کی شادی ہو ہی جانی چاہیئے آخر کب تک وہ یونہی بیٹھا رہے گا، وہ تو کہو میرا لڑکا خود اپنی ذات سے ہیرا ہے ہیرا، ورنہ اس عمر میں دولت مندوں کے لڑکے کیسے کیسے کھیل نہیں کھیل ڈالتے، مگر احمد نے کیا مجال ہے جو کسی کی طرف نظر بھی ڈالی ہو وہ سوا گھر کے یا دفتر کے کہیں آتا جاتا بھی نہیں نہ اس کے موئے کچے اور شہدے دوست ہیں، جو دولت اڑائیں اور غلط راستہ پر لے جا کر ڈال دیں، نہ اسے گانا سننے اور ناچ دیکھنے کی ہوس کہ کوٹھوں اور بالاخانہ کی سیر کرے، نہ اس کے دل میں عیاشی کی ہوس کہ دوسرے امیرزادوں کی طرح، ادھر اُدھر تاک جھانک کرتا رہے، میرا لڑکا تو فرشتہ ہے، اس زمانہ میں ایسی اولاد ہوتی کس کی ہے، بس انہیں جلد از جلد اس کے بیاہ کا

"لیکن اب پھر خط میں لکھا ہے، میں ایک مہینہ سے زیادہ نہیں رہوں گا، میرے ساتھ چلنے کو تیار رہنا، اب تم ہی بتاؤ، کیسے نہ جاؤں میں نہ گئی تو وہ استعفا بھیج دیں گے، لیکن اکیلے نہیں جائیں گے یہاں سے!"

ساجدہ بیگم یہ باتیں سنکر مسکرائیں، کہنے لگیں،

"اب چپ بھی رہو، یہ کیوں نہیں کہتیں خود ہی ہڑک رہی ہو، بغیر میاں کے!"

سائرہ اس "الزام" سے خوش ہوگئیں، لیکن بات بناتے ہوئے مسکراتی ہوئی بولیں،

"اے ہٹو بھی آپا، تم بھی ایک ہی وہ ہو، اس عمر میں کیا ہڑکوں گی بھلا!"

ساجدہ نے اس کمزور پہلو کو سمجھ لیا، کہا،

"لے اب زیادہ باتیں نہ بناؤ"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی، پھر ساجدہ نے پوچھا،

"تو سائرہ واقعی چلی جاؤ گی تم؟"

"ہاں آپا جانا ہی پڑے گا!"

ساجدہ نے کچھ سوچ کر کہا،

"بھئی تم جاتی ہو تو جاؤ، لیکن ایک بات سوچ لو"

"وہ کیا؟"

"عائشہ نہیں جائے گی!"

وہاں کا کیا ہوگا؟ انہیں نہ کھانے کا ہوش، نہ پہننے کا ڈھنگ، بھوک انہیں کب لگے گی، یہ وہ نہیں جانتے، یہ جاننا میرا فرض ہے، میں کھانا دوں تو بھوک لگ آئے گی، نہیں تو انہیں بھوک ہی نہیں لگتی، کپڑے ہیں یا نہیں؟ یہ وہ جانتے نہیں، میں ہی کپڑے اپنی پسند سے خرید دوں گی، میں ہی سلواؤں گی، میں پہناؤں گی، اللہ قسم آپا میں نے آج تک ان کے منہ سے نہیں سنا یہ کپڑا اچھا ہے، یہ برا ہے، یہ ہم پہنیں گے یہ ہم نہیں پہنیں گے!"

ساجدہ بڑے غور سے یہ باتیں سن رہی تھیں، انہوں نے کہا، "میں ارشد کو ایسا نہ جانتی ہوتی تو اپنی پیاری بہن کو اس کے حوالہ کیوں کرتی، واقعی بڑا بھولا اور نیک ہے!"

سائرہ نے فخر و ناز کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کہا، "یہ تو ٹھیک ہے، لیکن ان کی نیکی اور بھلمنساہت میرے لئے تو اجیرن ہو گئی ہے آپا!"

"اے خدا نہ کرے، تیرے منہ میں خاک یہ کیوں؟"

"یہ اس لئے کہ میں نہیں ہوتی تو بھڑ کتے ہیں، کہتے ہیں ہم سے اکیلے نہیں رہا جاتا، تمہی دیکھ لو، دس برس بیت گئے، مجھے نہیں آنے دیا ہمیشہ یہی کہتے رہے، ساتھ چلیں گے، ساتھ آئیں گے، آخر عاجز آکر میں بھاگ کھڑی ہوئی، وہ گئے شکار کو اور میں یہاں آ گئی، لو یہ بستر باندھ کے!"

"یہ تو اچھا ہی ہوا"

"اے تو کیا میں جانتی نہیں اپنے احمد کو، چراغ لے کے کوئی ڈھونڈھے تو ایسا ہیرا نہیں ملنے کا!"

ساجدہ نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا،

"تو اب انتظامات کروں؟"

سائرہ بولی،

"کرو، میں تو کہتی ہوں، جب کرنا ہی ہے تو دیر کاہے کی، اللہ چاہے، پندرہ بیس دن میں، عائشہ کے ابا آجائیں گے، بس ان کے آنے کے ایک ہفتہ کے بعد، نکاح کی رسم ادا کر دی جائے!"

"ٹھیک ہے یہی ہوگا!"

"تمہارے تو سب انتظام پہلے ہی سے ٹھیک ٹھاک ہوں گے آپا مجھے البتہ اتنی جلدی ذرا دشواری پیش آئے گی!"

"کیسی دشواری"!

"اللہ رکھے عائشہ سیانی تو ہوگئی ہے، لیکن ابتک میں نے اس کے شادی کے بارے میں نہ کچھ سوچا تھا، نہ کسی قسم کی تیاری کی تھی، تم نے ایک دم یہ بات اٹھائی، اور فوراً اسے طے کر لیا، اس لئے مجھے اتنی جلدی انتظامات کرنے میں ذرا مشکل پیش آئے گی ——— خیر ان کے آنے کے دس دن بعد نہیں بیس دن بعد سہی، ہو جائے گا، سب ٹھیک ٹھاک"

ساجدہ بولیں،

"لے سائرہ اتنی غیریت تو نہ برتو، تمہیں کاہے کی تیاریاں کرنی ہیں،

سائرہ نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا، کہ ساجدہ نے کہا،
"تم جاتی ہو، شوق سے جاؤ، عائشہ میری بھانجی، اور بیٹی بھی
اب میں اسے بہو بناؤں گی، خدا رکھے وہ سیانی ہو چکی ہے، میں
تو احمد کے ساتھ اس کا بیاہ رچاؤں گی"

سائرہ نے کہا،
"آپا تم مجھ سے کیا کہتی ہو؟ عائشہ جیسی میری ویسی تمہاری، اس
جیسا تمہارا ویسا میرا، جب چاہو، دونوں کا ہاتھ پکڑا دو، مجھے کیا
اعتراض ہو سکتا ہے کچھ؟"

ساجدہ خوش ہو گئی، اس نے پیار سے سائرہ کو گلے لگا لیا اور کہا
"تو نے میری بات رکھ لی، سائرہ میں آج بہت خوش ہوں!"

وہ بولی،
"میں نے کب تمہارے حکم سے سرتابی کی ہے، ہمیشہ ہی تو مانتی
ہوں تمہاری باتیں!"

ساجدہ نے کہا،
"یہ تو سچ ہے سائرہ، لیکن جس طرح میں تجھ سے تیری سب
بڑی اور قیمتی پونجی لے رہی ہوں، اسی طرح اس کے بدلے میں، تو
بھی اپنی سب سے بڑی قیمتی پونجی، تجھے دے رہی ہوں، میرا احمد
نہیں فرشتہ ہے، اس جوانی میں، اتنا نیک اور صالح لڑکا لاکھوں
میں ایک آدھ ملے گا کہیں!"

سائرہ بولی،

"عائشہ کہاں ہیں!"

سائرہ بولیں،

"ہوں گی اپنے کمرے میں، اور کہاں ہیں، یہ لڑکی تو کتابوں کے پیچھے دیوانی ہوئی جا رہی ہے، خدا غارت کرے ان موئی کتابوں کو!"

امجد مسکراتا ہوا، عائشہ کے کمرہ کی طرف چلا گیا، اور دونوں بہنیں بیٹھ کر، پھر مستقبل کے خوش آئند اور رنگین نقشہ بنانے لگیں،

عائشہ میری بیٹی بھی تو ہے!"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے آپا!"

"اس سے یہ ہوتا ہے کہ تم دور بیٹھ کے تماشا دیکھو، میں کرلوں گی سب کچھ انتظام!"

"اچھا آج میں انہیں خط تو لکھ دوں کہ یہاں یہ فیصلہ ہوا ہے، اور تمہارے یہاں آتے ہی خیر سے انشاء اللہ میری عائشہ کے ہاتھ پیلے ہو جائیں گے" ساجدہ نے بے پروائی کے ساتھ کہا،

"لکھ دو!"

پھر وہ بولی،

"لیکن ایک بات کہوں سائرہ، تو خط لکھ لیکن عائشہ کے بیاہ کے معاملہ کو گول کر جا، کچھ نہ لکھ!"

"یہ کیوں آپا!"

"ارشد جب یہاں آجائے گا، تب اسے اس کی خبر دیں گے، بڑا جلے گا کہ مجھے پہلے سے اطلاع کیوں نہیں دی، میں یہ کرتا وہ کرتا، مزا آئے گا، اللہ قسم!"

سائرہ مسکرائی، اور بولی،

"جیسا کہو!"

"ہاں بس یہی ٹھیک ہے!"

یہ دونوں سر جوڑے بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھیں، کہ امجد آگیا اس نے آتے ہی خالہ سے پوچھا،

کو تقدیر سے ایسا بر ملا ہے جو لاکھوں میں انتخاب ہے، صورت دیکھو تو فرد، سیرت دیکھو تو لاجواب، دولت و ثروت گھر کی لونڈی، سارا کاروبار اسی کے ہاتھ میں انہیں یقین تھا کہ عائشہ اس گھر میں راج کرے گی شوہر پروانہ وار جان دیگا، ساس دیوانہ وار قربان ہوں گی، دیور بھی زندگی بھر، محبت اور اطاعت کا برتاؤ کریگا، ایسا گھر قسمت سے ملتا ہے، اور شکر ہے کہ بغیر ڈھونڈھے ہوئے مل گیا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ داماد کوئی غیر نہیں اپنے جگر کا ٹکڑا ہے بھانجا کچھ اولاد سے کم ہوتا ہے،

ساجدہ بیگم نے احمد کو اپنے کمرہ میں بلوا بھیجا، وہ آیا اور ادب کے ساتھ بیٹھ گیا، وہ بولیں،

"بیٹا یہ انتظامات دیکھ رہے ہو؟"

"جی دیکھ رہا ہوں"؟

"کچھ معلوم ہے کیا ہو رہا ہے یہ سب کچھ!"

"کچھ کچھ تو معلوم ہے!"

یہ تمہارے سہرے کی تیاریاں ہو رہی ہیں بیٹا، میں چاہتی ہوں جلد از جلد اس فرض سے سبکدوش ہو جاؤں ——— لڑکی بھی کہیں باہر نہیں ڈھونڈنی پڑی، عائشہ کے ہوتے کہیں اور ڈھونڈنے کی ضرورت بھی کیا تھی!"

احمد خاموش بیٹھا رہا، کچھ دیر کے بعد ساجدہ پھر بولیں،

"لیکن تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے اس نسبت پر؟"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟"

باب ٹ

اعلان

دوسرے دن گھر میں اعلان ہوگیا، احمد اور عائشہ کی شادی ہونے والی ہے، فوراً ہی وسیع پیمانہ پر شادی کی تیاریاں شروع ہوگئیں، دھوم دہام اور چہل پہل کا آغاز ہوگیا، کل تک یہ گھر ویرانہ تھا، آج اس میں طرب کے شادیانے بجنے لگے، جب سے ساجدہ بیگم بیوہ ہوئی تھیں، ہنسنا ہی بھول گئی تھیں، آج ان کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں، گھر کے نوکروں چاکروں پر پہلے بھی انعام واکرام کی بارش ہوتی رہتی تھی، لیکن اب انہیں نہال کرنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں، باقاعدہ فہرست بنائی جا رہی تھی، کہ فلاں ملازمہ کو یہ یہ زیورات اور کپڑے دیئے جائیں گے، فلاں نوکر کو، اتنے مہینے کی تنخواہ، اور اتنے کپڑے بخشے جائیں گے، اس گھر میں یہ پہلی خوشی تھی ساجدہ بیگم اپنا کوئی ارمان اٹھا رکھنا نہیں چاہتی تھیں، وہ چاہتی تھیں، یہ ایسی شادی ہو کہ سارا شہر اسے برسوں یاد رکھے کہ ہاں بھئی دھوم دھام سے شادی ہوئی تھی کسی کی،

سائرہ کی خوشی بھی کچھ کم نہ تھی، انہیں اس کا غم تو ضرور تھا کہ پلی پلائی جوان جہاں لڑکی چھینی جا رہی ہے، لیکن اس کی خوشی یہی تھی کہ عائشہ

نے بڑے پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے دعا دی اور بہن کے پاس اطمینان سے بیٹھ گئیں، احمد وہ تھوڑی دیر کے بعد باہر چلا گیا،

احمد نے ماں کے سامنے دبے الفاظ میں، اپنی رضامندی کا اظہار کیا تھا، اس کے چہرہ سے ذرا بھی اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ اس خبر نے غیر معمولی طور پر اسے مسرور کیا ہے، لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ بہت خوش تھا، بے انتہا خوش،

جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں!

عائشہ اس کی امیدوں اور آرزؤں کا مرکز تھی، وہ عائشہ کو دیکھ دیکھ کر جیتا تھا، اپنی افتادِ طبع کے سبب.... وہ عائشہ سے اظہار محبت نہیں کر سکا، لیکن، دل ہی دل میں اسے پوجتا رہا، بارہا اس نے سوچا کہ دل کا راز کھول کر بیان کر دے، اس سے، لیکن... اس ارادہ میں کبھی کامیاب نہ ہو سکا، ویسے وہ عائشہ سے گھنٹوں اور پہروں باتیں کیا کرتا تھا علمی مسئلے، سیاسی مباحث، ادبی مذاکرات، کسی چیز میں وہ بند نہیں تھا، لیکن عرض حال کرنے کی قدرت اس میں نہیں تھی ——

—— ایسا معلوم ہوتا تھا، اس کی زبان ساتھ دینے سے انکار کر رہی ہے، لیکن قدرت نے یہ مشکل بھی آسان کر دی،..... لب ہلائے بغیر یہ مسئلہ خود بخود طے ہو گیا، جو کچھ اس کے دل میں تھا وہ ساجدہ کی زبان پر آ گیا، اور خوش اسلوبی کے ساتھ یہ مسئلہ طے ہو گیا،

احمد نے ماں کے سامنے اس خواہش کا اظہار کیا تھا، کہ عائشہ کا کا عندیہ لے لیا جائے، لیکن ماں کے انکار سے اس نے کوئی برا اثر نہیں

"خوش ہو تم"!

"آپ کی خوشی میری خوشی ہے!"

"خدا تمہیں سلامت رکھے، اسی جواب کی امید تھی!"

کچھ دیر پھر خاموشی سی طاری رہی، احمد نے کچھ تامل کے ساتھ

"لیکن امی ایک بات ہے!"

"کہو بیٹا کیا بات ہے"!

"میں چاہتا ہوں ——————

"ہاں ہاں کہو!"

"میں چاہتا ہوں، عائشہ کا عندیہ بھی معلوم کر لیجئے!"

ساجدہ نے ذرا تیکھے پن کے ساتھ جواب دیا،

"کچھ دیوانہ ہوا ہے لڑکے، عائشہ سے کیا پوچھ لوں؟ کہیں لڑکیوں سے بھی پوچھا جاتا ہے، ماں باپ نے جہاں مناسب سمجھا کر دی شادی"

"یہ صحیح ہے امی، لیکن میری مرضی یہی تھی!"

"اچھا تو بیٹھ چپ چاپ، مجھے تیری مرضی معلوم کرنی تھی اور میں نے معلوم کر لی، رہی عائشہ اسے مجھ پر چھوڑ دے"

احمد نے ذرا مسکراتے ہوئے کہا،

"میں نے تو آپ کی مرضی پر صاد کیا ہے، اپنی مرضی تو نہیں بتائی!"

"اچھا یہی سہی، بہر حال تجھے اعتراض تو نہیں ہے کچھ!"

اتنے میں سائرہ بھی آگئیں، انہیں دیکھ کر احمد نے سلام کیا

باب ۸

ردّ عمل!

احمد کو بے انتہا تمنا تھی کہ وہ عائشہ کے چہرہ پر شادی کی خبر کا ردعمل دیکھے، اسے امید تھی کہ اپنے دل کا رنگ عائشہ کے چہرہ چھلکتا ہوا دیکھ لے گا، لیکن جب وہ گھر میں ہوتا تھا، عائشہ کمرہ سے نکلنے کی قسم کھا لیتی تھی، اگر نکلتی تھی تو اسی وقت جب وہ گھر سے باہر ہوتا تھا، اس لئے آج تک اسے یہ موقع نہ ملا کہ وہ عائشہ کے جذبات و تاثرات کم از کم اس کے چہرہ ہی پر پڑھ سکتا،

گھر کا ہر فرد، وقف مسرت تھا، لیکن دو نفوس ایسے تھے، جو اس خوشی میں غیر معمولی حصہ نہیں لے رہے تھے، ایک خود عائشہ، وہ ہر وقت خاموش خاموش سی دکھائی دیتی تھی، نہ وہ جاں نواز تبسم تھا، نہ وہ دل فریب ہنسی، ایک چپ سی لگ گئی تھی سے، ماں نے اور خالہ نے اس کا یہ رنگ دیکھا، اور اگر کچھ محسوس کیا تو صرف یہ کہ بھولی بھالی کم سن بچی ہے، شادی کے خیال سے ہول میں مبتلا ہے، شادی ہو جائے گی، ٹھیک ہو جائے گی، ابھی وہ نہیں جانتی کہ شادی ایک خوشگوار زندگی کا آغاز ہے۔

وہ ساجدہ کی آنکھوں میں کھب جاتے تھے، اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا، کہ اکثر ایسا ہوتا تھا، جو مال آجاتا تھا، وہ واپس نہیں کیا جاتا تھا، لے ہی لیا جاتا تھا، غرض دونوں بہنیں، بری طرح دل کے حوصلے نکالنے پر تلی ہوئی تھیں ——— بزازوں اور سناروں کی بن آئی تھی،

احمد ان تیاریوں کو دیکھتا تھا، اور اس کا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگتا تھا، اس کی شادی، اگر کسی اور جگہ ہوئی ہوتی، تو شاید اتنے وسیع پیمانہ کے انتظامات کو وہ فضول خرچی قرار دیتا، لیکن شادی ہو رہی تھی، عائشہ سے، اور عائشہ کو وہ دولت دو عالم دے دیتا، جب بھی کم ہی تھا، اس لئے یہ انتظامات بھی اس کی نظر میں کچھ بہت زیادہ، غیر معمولی نہیں تھے، بلکہ بعض وقت تو وہ ان میں کمی سی محسوس کرتا تھا، لیکن ماں کے معاملہ میں مداخلت کرنا پسند نہیں کرتا تھا، اس لئے خاموش تھا اور دل ہی دل میں طے کر چکا تھا کہ شادی کے بعد وہ بطور خود، ان کوتاہیوں کی تلافی کر کے رہے گا، بلکہ ایک حد تک اس نے تلافی کی کا کام شروع بھی کر دیا تھا،

بطور خود، چپکے چپکے، وہ کئی قیمتی، اور دیدہ زیب زیورات لاکر احتیاط سے اپنے بکس میں رکھ چکا تھا، کہ جب عائشہ سے ملاقات ہو گی، تو نذر محبت کے طور پر یہ تحفے اس کی خدمت میں پیش کرے گا، اور وہ مسکرا کر جب ان پر ایک نظر ڈالے گی، اور شکر گزار آنکھوں سے اسے دیکھے گی، تو ———"

امجد نے ایک پھیکے تبسم کے ساتھ کہا،

"نہیں تو بھیّا، میں بھلا افسردہ کیوں نظر آؤں گا، اس کی کوئی وجہ بھی تو ہو، ——— یہ آپ کا وہم ہے، سچ پوچھئے تو میں آج کل بہت خوش ہوں!"

"کیوں"؟

"آپ کی شادی جو ہو رہی ہے!"

"میری شادی سے تم بہت خوش ہو؟"

"کیوں نہیں بھیّا، آپ کو خوش دیکھتا رہوں، یہی تو میری زندگی کا مقصد ہے، آپ کی خوشی کے لئے میں اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہوں!"

احمد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اس نے امجد کو بھینچ کر گلے لگا لیا، اور کہا،

"امجد مجھے تم سے یہی امید تھی ——— لیکن میں تمہیں ہمیشہ خوش و خرم دیکھنے کا عادی ہو چکا ہوں، اگر ذرا بھی افسردہ دیکھتا ہوں تو میرا دل اندر سے کوئی مسلنے لگتا ہے، اور اختلاج سا ہونے لگتا ہے مجھے!"

امجد نے محبت بھری نظروں سے احمد کو دیکھتے ہوئے کہا،

"میں جانتا ہوں بھیّا، آپ مجھے کتنا چاہتے ہیں، خود سارے کام کرتے ہیں، اور مجھے ہل کے پانی بھی نہیں دیتے، مجھ جیسا خوش قسمت انسان دنیا میں کون ہو سکتا ہے، اسی لئے تو میں ہر وقت خوش رہتا ہوں،

ابھی وہ صرف یہ جانتی ہے کہ شادی ایک نئی چیز ہے، اور نئی چیز سے اگرچہ وہ خوش آئند کیوں نہ ہو، آدمی کسی نہ کسی حد تک گھبراتا ہی ہے۔

دوسری مغموم اور خاموش ہستی، امجد کی تھی، ماں اور خالہ کو تو اس کے مغموم چہرہ کے دیکھنے کی فرصت ہی نہ تھی، ہاں احمد کے سامنے کئی بار اس کا افسردہ چہرہ آیا، لیکن احمد بھی اس کی توجیہ سوا اس کے اور کچھ نہ کر سکا کہ شادی کے انتظامات کی ساری ذمہ داریاں اسی کے سر ڈال دی گئی ہیں، میں تو الگ تھلگ سا رہتا ہوں، اسے اب تک ان جنجالوں میں پڑنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا، لہٰذا، مسلسل مصروفیت اور ماندگی کے سبب وہ کچھ نڈھال سا رہنے لگا ہے، یہ تقریب خیر و خوبی سے انجام پا جائے، تو اس کی پھر وہی بے تکلفی اور بے پروائی کی زندگی، شروع ہو جائے گی، یہ ساری ماندگی رفع ہو جائے گی، اور وہ پھر حسب سابق گل تر کی طرح تر و تازہ ہو جائے گا،

لیکن احمد امجد کو بہت چاہتا تھا، شاید عائشہ سے بھی زیادہ اس توجیہ سے مطمئن ہونے کے باوجود، وہ مطمئن نہ ہوا، ایک روز اس نے امجد سے کہا،

"امجد ایک بات تو بتاؤ!"

"فرمائیے"!

"تم چپ چپ سے، افسردہ، افسردہ سے کیوں دکھائی دیتے ہو؟ یہ میرا وہم ہے یا امر واقعہ!"

"اس کی فکر نہ کیجئے بھیا، میں اتنا سخت جان ہوں کہ اتنے معمولی کام کا میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا!"

امجد نے وہی کہا، جو خود احمد کا دل کہہ رہا تھا، وہ مطمئن ہو گیا کہ امجد کی افسردگی کا سبب اس کی بڑھی ہوئی، اور غیر معمولی مصروفیت کے سوا کچھ اور نہیں ہے، اور ہو بھی کیا سکتا ہے؟ اسے خدانخواستہ فکر یا پریشانی کاہے کی ہو سکتی ہے؟ جب تک میں زندہ ہوں، اسے خوش رہنے اور زور زور کے ٹھٹے لگانے کے سوا اور کام ہی کیا کرنا ہے؟

امجد چلا گیا، اور احمد کے خیالات پھر امجد سے عائشہ کی طرف منتقل ہو گئے، وہ اس وقت کیا کر رہی ہو گی، اس کے دل میں کیسے کیسے خیالات آ رہے ہوں گے، دور سے ایک جھلک سہی، لیکن اسے دیکھنے کی کوئی صورت نکل سکتی ہے؟ ——————

"تم خوش رہو، بہی... میں چاہتا ہوں، لیکن میں دیکھ رہا ہوں،
کچھ بجھے بجھے سے دکھائی دیتے ہو!"

"مجھے تو نہیں معلوم کہ ایسا ہو، لیکن اگر واقعی یہ بات ہے تو اس
وجہ یہ ہوگی کہ آج کل، شب و روز شادی کے انتظامات کے سلسلہ
مجھے مصروف رہنا پڑتا ہے، آپ تو اماں اور خالہ کی طبیعت سے
ہی ہیں، دن بھر دوڑاتی رہتی ہیں، یہ چیز کم ہے، فلاں چیز کی ضرور
ہے، چونکہ پہلی مرتبہ مجھے غیر معمولی طور پر کام کرنا، اور مصروف رہنا
رہا ہے، اس لئے ممکن ہے، کچھ ماندگی کا اثر ہو، چہرے پر، ورنہ او
تو کوئی بات نہیں!"

احمد نے بڑے شفقت بھرے لہجہ میں کہا،

"لیکن گھر میں نوکر بھی تو ہیں درجنوں ان سے تم یہ کام کیوں نہیں
لیتے"؟

"یہ تو ٹھیک ہے، لیکن اپنا کام خود آپ ہی سے خوب ہوتا ہے، میں
چاہتا ہوں، یہ شادی ایسی دھوم دھام سے ہو کہ میری اور اماں کی کوا
تمنا ادھوری نہ رہ جائے، ایسے موقع روز روز نہیں آتے، اسی لئے
ایسے موقعوں پر خود کام کرنا پڑتا ہے، نوکروں پر بھروسہ نہیں کیا
جا سکتا!"

"اچھا بھئی جو تمہارا جی چاہے کرو، لیکن اتنا کام تو نہ کرو کہ خدا
نخواستہ بیمار پڑ جاؤ، یہ بات تو مان لو!"

امجد نے بے فکری کے ساتھ کہا،

" عائشہ، میں تمہیں اپنا سر دے کر لے سکتا تھا، اپنا خون بہاکر حاصل
کر سکتا تھا، لیکن معاملہ آن پڑا ہے بھیا کا، وہ مجھے اس دنیا میں سب سے
زیادہ چاہتے ہیں، میں کسی طرح ان کا حریف بنکر میدان میں نہیں آسکتا،
وہ تم سے محبت نہیں کرتے، ان کے دل میں میرے سوا کسی کی محبت جگہ
ہی نہیں پاسکتی، ـــــــ

اب میری شرافت اور سعادت کا تقاضہ یہ ہے کہ میں ان کے راستہ
کا پتھر نہ بنوں، تم سے محبت نہ کرنے کے باوجود وہ اس شادی سے بے
حد خوش ہیں، تمہاری جیسی حور شمائل، اور پاکیزہ خصائل بیوی پاکر کون
خوش نہ ہوگا، میں اپنی جان قربان کرکے انہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں!
کوشش کروں گا، کہ اس غم کو جھیل لوں، اور نہ جھیل سکا، تو اپنی ناکام
اور نامراد زندگی کا خاتمہ کرلوں گا، مجھے مرجانا گوارا ہے، لیکن بھیا کے
رنگ میں بھنگ ڈالنا میرے بس کے باہر ہے ـــــ تم بھی حوصلہ
سے کام لو عائشہ، اس دنیا میں بہت سی باتیں ایسی ہوتی رہتی ہیں جنہیں
ہم پسند نہیں کرتے، لیکن جو ہمیں پسند کرلیتی ہیں،"!

عائشہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اس نے کہا،

میں کسی کو دوش نہیں دیتی، نہ امی کی خطا ہے نہ خالہ کی، اور احمد
بھیا تو بالکل بے قصور ہیں، میں زبردستی ان کے سر منڈھی جارہی ہوں
مجھے گلہ جو کچھ ہے وہ اپنے نصیب سے ہے، لیکن میں مرمر کر نہیں جی سکتی
میں زندگی بھر رو رو کر نہیں گزار سکتی!"

امجد نے پوچھا،

باب ۹

انکشاف

شام کا وقت تھا، احمد حسب معمول ٹینس کھیل کر، ریکٹ ہاتھ میں لیکر اپنے پائیں باغ سے گزرتا ہوا، زنان خانہ کی طرف بڑھ رہا تھا، کہ ایک کنج کے پاس سسکیوں اور سسکیوں کی آواز آئی، وہ آڑ میں کھڑا ہو کر دیکھنے لگا کیا معاملہ ہے؟ اس نے دیکھا، امجد، اور عائشہ بیٹھے ہوئے ہیں، دونوں کے چہروں پر غم والم نمایاں ہے، دونوں کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے ہیں، دونوں کے ہونٹ تھرتھرا رہے ہیں، بات کرنا چاہتے ہیں، لیکن نہیں کر پاتے، یہ منظر دیکھ کر احمد کو سکتہ سا ہو گیا وہ سوچنے لگا یہ کیا ماجرا ہے؟ میرا چہیتا اور محبوب بھائی، میری محبوبہ اور منگیتر، یہ اس تنہائی کی جگہ کیوں بیٹھے ہیں؟ کیا ربط ہے ان دونوں میں؟ کیا تعلق ہے ان دونوں کا؟ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ امجد جیسا بھائی بغلی گھونسہ ثابت ہو؟ کیا یہ بھی ممکن ہے کہ عائشہ جیسی شریف اور پاکیزہ خصائل لڑکی بے وفا ثابت ہو؟ وہ یہی سوچ رہا تھا، اور ابھی کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ اس کے کان میں آواز آئی، امجد، عائشہ سے کانپتی ہوئی آواز اور لرزتے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ کہہ رہا تھا

"کیسے؟ کیوں؟ خدا نہ کرے!"

"کیا تم سمجھتی ہو؟ تمہارے جان دیدینے کے بعد، میں ایک پل بھی زندہ رہ سکتا ہوں؟ خدا کی قسم نہیں!"

عائشہ بے بسی کے ساتھ بولی،

تو آخر کیا ہوگا پھر؟"

امجد نے کہا،

"صرف ایک ہی صورت ہے، یہ غم جھیل لو، اس گھر کی سلامتی، اسی میں ہے، ورنہ خوب سوچ لو، اپنے ساتھ تم سارے گھر کو زندہ در گور کر جاؤ گی!"

عائشہ پھر رونے لگی، اس نے کہا،

"ایسے موقعوں پر خدا بھی کام نہیں آتا، موت بھی نہیں آجاتی کمبخت"

"تم ہمت سے کام کیوں نہیں لیتیں؟ بے شک ہم دونوں شادی کے رشتہ میں نہیں بندھ سکے، لیکن ہمارے دلوں میں جو محبت پیدا ہو چکی ہے وہ کبھی نہیں مٹ سکتی، کبھی نہیں ختم ہو سکتی، بلکہ سچ پوچھو تو یہ ہماری محبت، اور ہماری پاکبازی کا امتحان ہے، ہم دونوں ایک گھر میں رہیں عزیز بنکر رہیں، لیکن ہماری پاکیزہ محبت ہمیں ڈانواڈول نہ ہونے دے یہی ہے اصل محبت، میں ہوس کو محبت نہیں کہتا!"

ایسا معلوم ہوا جیسے عائشہ کچھ سوچ رہی ہے، وہ خاموش تھی، لیکن، اس کی خاموشی سے اندازہ ہو رہا تھا، وہ کوئی رائے قائم کر چکی ہے، امجد نے کہا،

"پھر؟ کیا سوچا ہے تم نے"؟
عائشہ ایک عزم کے ساتھ بولی،
"میں زہر کھالوں گی!"
امجد نے بیتابی کے ساتھ کہا،
"تم زہر کھالو گی؟"
وہ استقلال کے ساتھ بولی،
"ہاں!"
امجد نے کہا،
"نہیں یہ میں اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا، پہلے میں خودکشی کر
پھر شوق سے تم زہر کھالینا!"
عائشہ بیتابی کے ساتھ بولی،
"یہ نہ کہو امجد، خدا کے لئے ایسا نہ کہو!"
امجد نے جواب دیا،
"کیسے نہ کہوں؟ میں تمہیں حاصل نہ کر سکا لیکن تمہارے لئے جا
تو دے سکتا ہوں، تم پر یہ تو ثابت ہو جائے گا، کہ میں،
بازی اگرچہ لے نہ سکا سر تو کھو سکا!"
عائشہ نے کہا،
"تم نے خودکشی کی، تو احمد بھیا دیوانے ہو جائیں گے، خالہ جان
موت مر جائیں گی، یہ گھر اجڑ جائے گا، نہیں نہیں ایسا نہ کہو امجد!"
"موت تو ہر حالت میں لکھی ہے میرے نصیب میں!"

بڑھ کر کمینہ کون ہوگا، اگر میں اپنے دل کے لئے ان کا دل دکھاؤں، محبت سے زیادہ عزت دیرپا ہوتی ہے، میں تم سے محبت کرتی ہوں، اور ان کی عزت کرتی ہوں، اس گھر میں سب سے زیادہ میرا مان انہوں نے رکھا، میری خاطر اور دلجوئی جتنی انہوں نے کی، تم نے بھی نہیں کی، میرا فرض ہے کہ میں انہیں اپنی ذات سے کبھی کسی شکایت کا موقع نہ دوں، اور جب تک زندہ رہوں گی اس فرض کو انجام دیتی رہوں گی!"

کچھ دیر تک پھر خاموشی رہی، عائشہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا،

"بہت دیر ہوگئی!"

امجد نے کہا،

"ہاں بہت دیر ہوگئی، اب چلو ——— یہ ہماری تمہاری آخری ملاقات ہے!"

یہ کہتے کہتے، امجد کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں، عائشہ نے بھرآئی ہوئی آواز میں امجد کو مخاطب کیا،

"تم مجھ سے کہتے ہو... حوصلہ... قایم رکھو، لیکن خود تمہاری کیا حالت ہے یہ تو دیکھو!"

امجد نے اپنے تئیں سنبھالتے ہوئے کہا،

"یہ وقتی اضطراب ہے، یہ میرے اوپر غالب نہیں آسکتا!"

کچھ دیر خاموش رہ کر امجد نے کہا،

"اب بھیا آتے ہوں گے چلو ان کے سامنے تو تمہیں پردہ کرنا پڑتا ہے"

"جواب دو عائشہ!"

"کس سوال کا جواب"؟

"زہر کھاؤ گی تم"؟

عائشہ نے پرنم آنکھوں کے ساتھ کہا،

"نہیں!"

"زندہ رہو گی میرے لئے!"

"ہاں!"

"اب تمہارا چہرہ غمگین تو نہیں دکھائی دیگا مجھے"؟

"نہیں!"

"ہنسو گی؟"

"ہاں!"

"مسکراؤ گی"؟

"ہاں!"

"خوش رہو گی!"

"اس کی بھی کوشش کروں گی؟"

"بھیا کو کبھی یہ محسوس تو نہیں ہونے دو گی کہ تم اس شادی سے خوش نہیں ہو!"

"کبھی نہیں ——— ان کی خدمت کروں گی، ان کا خیال رکھوں گی، انہیں خوش رکھنے کے لئے اپنے غم کو خوشی سے بدل لونگی، میں جانتی ہوں ان کی کوئی خطا نہیں، وہ نیک ہیں، شریف ہیں، اچھے ہیں، مجھ سے

ہوا، زنانخانہ میں داخل ہوا،
ساجدہ نے دیکھا، تو کہا،
"آج بڑی دیر لگا دی بیٹا، کہاں رہے؟"
"کہیں نہیں امی، آج کلب میں ذرا دیر ہو گئی!"
ماں نے بیتابی کے ساتھ کہا،
"تیری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"
"ہاں امی بالکل ٹھیک!"
"پھر یہ تیرا چہرہ اترا ہوا کیوں ہے؟"
"کچھ بھی نہیں امی، آج میں ہار گیا! ——— شاید اسی کا اثر ہے چہرے پر!"
"ہار گئے، تم؟"
"جی ہاں، کھیل میں تو یہ ہوتا ہی رہتا ہے، کبھی ہار کبھی جیت!"
"اونھ، تو کھیلنا ایسا فرض کون سا ہے!"
"امی یہ نہ کہیئے، یہی تو اصل زندگی ہے، میں زندگی کو کھیل ہی سمجھتا ہوں!"
یہ کہہ کر وہ اپنے کمرہ میں چلا گیا!

عائشہ بولی،

"اور اگر اس وقت آجائیں تو؟ ——— میں تو شرم سے مرجاؤں!"

"امجد نے کہا

"شرم کیسی"؟

"کیا کہیں گے اپنے دلمیں؟"

"یہ کہ تم یہاں کیوں آئیں، مجھ سے باتیں کیوں کیں"؟

"ہاں اور کیا!"

"تم اطمینان رکھو، بھیّا، نہ تم پر شبہ کر سکتے ہیں، نہ مجھ پر، وہ مجھے بھی جانتے ہیں، اور تمہیں بھی پہچانتے ہیں!"

احمد اور زیادہ آڑ میں ہوگیا، اور یہ دونوں پائیں باغ سے زنانخانہ میں چلے گئے، ان کے جانے کے بعد تھوڑی دیر تک احمد وہیں اپنی جگہ پر کھڑا رہا، اضطراب، تشویش، اور فکر کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں تھے، پھر وہ خاموشی سے زنانخانہ کی طرف بڑھا، صاف معلوم ہو رہا تھا، نہ اس وقت اس کا دل قابو میں ہے، نہ پاؤں، نہ جانے کیا سوچ رہا ہے، نہ جانے کیوں پاؤں لڑکھڑا رہے ہیں، ابھی ابھی جب وہ آیا تھا، تو اس کا چہرہ نشاط و مسرت کی تصویر بنا ہوا تھا، اور ابھی ابھی چند لمحوں کے اندر وہ خوشی کافور ہو چکی تھی، اس نشاط کا کہیں پتہ نہیں تھا ایک افسردگی تھی، ایک اضمحلال تھا، ایک بیتابی تھی، جو دل سے چہرہ پر آکر جمع ہوگئی تھی، وہ کچھ سوچتا ہوا خاموشی کے ساتھ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا

تھی، اور سب لوگ پھر اپنے اپنے کاموں میں مصروف و منہمک ہو جاتے تھے،

آج بھی یہی ہوا، کھانے کی مجلس جلدی سے جمی اور جلدی سے برخاست ہو گئی، امجد اپنے کمرہ میں چلا گیا، سائرہ اور ساجدہ نے اپنے کمرہ کی راہ لی اور، احمد خاموشی کے ساتھ اپنے کمرہ کی طرف بڑھ گیا،

کوئی دس بجے کے قریب احمد نے اپنے کمرہ کے دروازے بند کر لئے گویا اب وہ سو رہا تھا، لیکن حقیقتاً اس کا ارادہ سونے کا نہیں تھا، نیند کا کہیں کوسوں پتہ نہیں تھا، وہ کبھی ٹہلنے لگتا تھا، کبھی خاموشی کے ساتھ کرسی پر بیٹھ جاتا تھا، اور گردن جھکا کر پھر کچھ سوچنے لگتا تھا، کمرہ میں امجد اور عائشہ کی تصویریں آویزاں تھیں، کبھی وہ ان تصویروں کی طرف تکنے لگتا تھا، اور تکتا رہتا تھا، ایک مرتبہ وہ چارپائی پر آکر دراز ہو گیا لیکن سکون اور اطمینان سے محروم، وہ کروٹوں پر کروٹیں بدل رہا تھا، لیٹے لیٹے اٹھ کر بیٹھ جاتا تھا، بیٹھے بیٹھے اٹھ کھڑا ہوتا تھا، ٹہلنے لگتا تھا، پھر کھڑا ہو جاتا تھا، پھر بیٹھ جاتا تھا، پھر لیٹ جاتا تھا، ایک عجیب کشمکش طاری تھی اس پر، ایک عجیب اضطراب میں وہ مبتلا تھا،

وہ سوچ رہا تھا، اب اسے کیا کرنا چاہیئے، امجد اور عائشہ کی گفتگو سننے کے بعد، اسے اندازہ ہو گیا، عائشہ مجھ سے محبت نہیں کرتی، امجد سے کرتی ہے، امجد عائشہ سے محبت کرتا ہے، لیکن میری خاطر اپنی محبت کو قربان کر دینے پر تیار ہے، میرے دل میں عشق اور محبت کا جو طوفان امنڈ رہا ہے، اس سے کوئی بھی واقف نہیں ہے، لیکن ان دونوں

باب ۱۰

شبِ غم!

اپنے کمرہ میں احمد آئینہ کے سامنے کھڑا ہو کر اپنا جائزہ لینے لگا، اس نے محسوس کیا واقعی اس کا چہرہ اترا ہوا ہے، اور وہ کچھ بیمار سا معلوم ہوتا ہے، اپنی اس کمزوری پر اسے بیحد تکلیف ہوئی، اس نے کوشش کی، کہ اپنے چہرہ پر پھر بحالی اور تازگی پیدا کرلے،

تھوڑی دیر میں کھانے کا وقت آگیا، کھانے کی میز پر، ماں، خالہ امجد سب ہی موجود تھے، اور اب احمد کے چہرہ پر کوئی علامت ایسی نہیں تھی، جس سے اندازہ ہوتا، ابھی ابھی اس پر غم والم کی کیفیت طاری تھی البتہ امجد کے چہرہ پر چھپا ہوا غم ضرور جھلک رہا تھا، لیکن اسے غور سے دیکھنے ہی پر محسوس کیا جاسکتا تھا، اور اس وقت سب لوگ اپنی اپنی فکروں میں اس طرح الجھے ہوئے تھے، کہ امجد کے غم کو بھانپنے کی کسی نے کوشش ہی نہ کی،

کھانے کی میز پر امجد کھاتا کم تھا، باتیں زیادہ کرتا تھا، ہنستا کم تھا ہنساتا زیادہ تھا، اور ہر چند روز سے خاموشی کے ساتھ کھانا کھاتا تھا، اور چلا جاتا تھا، اب کھانے کی میز پر جو مجلس جمتی تھی وہ بہت جلد برخاست ہوجاتی

کہ امجد کا پھول سا چہرہ کملا جائے، مرجھا جائے؟ پژمردہ ہو جائے؟ نہیں یہ کبھی نہیں ہو سکتا، میں ہرگز یہ نہیں ہونے دونگا، یہ دونوں محبت کرنیوالے معصوم دل ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے، انہیں ایک ساتھ رہنا ہے ایک ساتھ زندگی کی مسرتوں اور خوشیوں میں حصہ لینا ہے، میں ان کی راستہ کا پتھر نہیں بن سکتا، میں ان کے محبت کرنے والے دلوں میں کانٹا بن کر نہیں چبھ سکتا،

پھر مجھے اب کیا کرنا چاہیئے، کیا میں شادی سے انکار کر دوں، پھر معاملہ زیادہ نازک صورت اختیار کرے گا، امّی میرے انکار کو نہیں مانیں گی، وہ اپنی ضد پر اڑ جائیں گی، رو رو کے جل تھل کر لیں گی، ان کی آنکھوں میں آنسو میں نہیں دیکھ سکتا، ان کے اصرار کو میں رد نہیں کر سکتا، ان کی تمناؤں اور حوصلوں کو میں پامال نہیں کر سکتا، میں دور رہ کر، نظروں سے اوجھل ہو کر، سب کچھ کر سکتا ہوں، سامنے رہ کر، نظروں کے سامنے بیٹھ کر کچھ نہیں کر سکتا، کچھ بھی نہیں کر سکتا،

یہ سوچتے سوچتے وہ پھر ٹہلنے لگا، ٹہلتے ٹہلتے رکا، اور دبی آواز میں یہ شعر گنگنانے لگا،

ابتو جاتے ہیں بتکدہ سے امیر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا!

آہ! لیکن اب خدا بھی مجھے اس گھر میں واپس نہیں لا سکتا، یہ جانا ایسا جانا ہے، جس کے بعد پھر آنا نہیں، یہ ایسی جدائی ہے، جو وصال سے کبھی نہیں بدل سکتی، یہ ایسا فراق ہے جو قرب سے کبھی ہمکنار

کے معصوم دلوں پر ۔ ۔ ۔ گزر رہی ہے، اس سے میں واقف ہوں، عائشہ مجھ سے محبت نہیں کرتی ۔ ۔ ۔ لیکن اس پر تیار ہے کہ ساری زندگی میرے ساتھ گزار دے، عمر بھر میری خدمت کرتی رہے، اپنے غم کو کبھی مجھ پر ظاہر نہ ہونے دے، امجد، عائشہ سے عشق کرتا ہے، لیکن میرے لئے، صرف میری خاطر وہ اپنے سینہ پر پتھر کی سل رکھ لینے کو تیار ہے، اپنی رنگین امیدوں، اور خوش آئند آرزوؤں سے دستبردار ہوا جارہا ہے، وہ عائشہ کو یہ ترغیب نہیں دیتا کہ وہ میرے ساتھ شادی کرنے سے انکار کردے! اس کے دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ وہ عائشہ کو گمراہ کردے، وہ یہ نہیں سوچتا کہ اس کے راستہ کا پتھر ہٹ جائے اور خود عیش و آرام کی زندگی ——— بسر کرے، بلکہ وہ عائشہ کو ترغیب دے رہا ہے کہ وہ میرے ساتھ شادی کرلے، اور اپنی خوشی پر میری خوشی مقدم رکھے، یہ دونوں اس پر تیار ہیں کہ غم سے گھلتے رہیں لیکن غم کو ظاہر نہ ہونے دیں، زندگی بھر روتے رہیں، لیکن آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ بھی نہ ٹپکنے دیں، اپنی زندگی ویران کرلیں، تباہ کرلیں، برباد کرلیں، لیکن میری زندگی خوشگوار بنادیں مجھے فکرمند نہ ہونے دیں، میری خوشی نہ چھینیں،

پھر اب مجھے کیا کرنا چاہیئے، کیا یہ شادی مجھے زیب دے گی؟ کیا عائشہ کا ٹوٹا ہوا دل میرے پہلو میں آرام حاصل کرسکے گا،؟ کیا امجد کی ناکام اور تلخ زندگی، سکھ اور چین سے بسر ہو سکے گی، میں عائشہ سے بھی محبت کرتا ہوں، اور امجد کا تو عاشق زار ہوں، کیا میں اسے برداشت کرلوں گا کہ عائشہ زندگی بھر دل کی آگ میں جلتی رہے، کیا میں اسے سہ لوں گا!

اور پھر زندگی بھر میں اسے خوش نہ رکھ سکوں اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہوگا، اور مجھے یقین ہے، آپ بھی اسے پسند نہیں کریں گی،

میں اس گھر سے رخصت ہوتا ہوں، شاید ہمیشہ کیلئے آپ مجھے تلاش کرنے کی کوشش نہ کیجئے گا"

آپ کا نالائق بیٹا

احمد

یہ خط لکھ کر اس نے بار بار پڑھا، کئی مرتبہ پھاڑا، اور دوبارہ لکھا اور آخر اسے لفافہ میں بند کرکے، میز پر اس طرح رکھ دیا کہ میز کی طرف آنے والے کی نظر سب سے پہلے اسی لفافہ پر پڑے،

خط میز پر رکھنے کے بعد، احمد نے اچکن پہنی، اور آہستہ سے کمرہ کے دروازے کھولے، سارے گھر پر سناٹا چھایا ہوا تھا، گھر کا ہر فرد نیند میں مدہوش اور مست تھا، اس نے جلدی سے کمرہ کے دروازے پھر بھیڑ لئے، احمد کی تصویر کو گلے لگایا، اس کی پیشانی کو بوسہ دیا، عائشہ کی تصویر دیکھی، اور بڑی دیر تک اسے حسرت بھری نظروں سے دیکھتا رہا، پھر اس نے دونوں تصویریں اپنی اپنی جگہ پر رکھدیں، بڑی احتیاط سے جیسے کوئی نگینہ ہو، جیسے کوئی نازک سا آبگینہ ہو، ٹھیس نہ لگ جائے کہیں، ٹوٹ نہ جائے کہیں،

اس نے بھڑے ہوئے دروازہ کو پھر کھولا، سب لوگ اپنے اپنے کمرہ میں بے خبر نیند سو رہے تھے، وہ دبے پاؤں چوروں کی طرح باہر صحن

نہیں ہوگا،

وہ لکھنے کی میز پر آیا، قلم دوات سامنے رکھا تھا، اس نے خط لکھنے کا کاغذ اٹھایا، اور خط لکھنے بیٹھ گیا، اس نے لکھا:۔

"پیاری امی!

کون نہیں جانتا عائشہ بڑی نیک، شریف، اور اچھی لڑکی ہے، میرے دل میں اس کی عزت ہے، محبت ہے، میں یہ بھی جانتا ہوں، کہ آپ اسے کتنا چاہتی ہیں، اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ جس گھر میں جائے گی، وہاں کی زینت اور شوبھا بن جائے گی لیکن یہ سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے باوجود میں عائشہ سے شادی نہیں کرسکتا، یہ رشتہ مجھے قطعاً منظور نہیں ہے،

میں جانتا ہوں میرے اس فیصلہ سے آپ کو صدمہ ہوگا، ممکن ہے آپ مجھ سے روٹھ جائیں، لیکن امی جان، میں نے زندگی بھر آپ کی خدمت اور اطاعت کرنا اپنا فرض سمجھا ہے مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے کبھی آپ کی نافرمانی کی ہو، لیکن یہ مرحلہ ایسا آن پڑا ہے کہ میں حکم عدولی پر مجبور ہوں، میں آپ کی بات نہیں مان سکتا، میں عائشہ کو خوش نہیں رکھ سکتا اور اس سے بڑھ کر کمینہ پن کیا ہوسکتا ہے کہ عائشہ جیسی نیک معصوم، اور شریف لڑکی سے وہ شخص شادی کرلے، جو اسے خوش نہیں رکھ سکتا، جو اس کے ساتھ زندگی نہیں بسر کرسکتا، آپ کے حکم سے میں عائشہ سے شادی کرلوں،

تھیں، سارے گھر میں خوشی کے شادیانے بج رہے تھے، گھر کے باادب اور اطاعت گزار ملازم لڑ لڑ اور جھگڑ جھگڑ کر اپنا حق، اور حصہ مانگ رہے تھے اور وہ مسکرا مسکرا کر، اور ہنس ہنس کر، منہ مانگا حق، اور انعام دے رہی تھیں، حاتمانہ سخاوت کے ساتھ اعلان کر رہی تھیں، یہ دن روز روز کب آتے ہیں، میں اپنے دل کی حسرتیں نکال کر رہوں گی، اور ہر مانگنے والے کو، اس کی طلب سے زیادہ دوں گی، اس کا دامن امید گوہر مراد سے بھر دوں گی، کسی کو شکوہ شکایت کا موقعہ نہیں دوں گی، آج جو لڑ لڑ کرے گا، وہی میرا دوست ہے، آج جو جھگڑ جھگڑ کر مانگے گا، وہی میرا جیتا ہے،

اور احمد کا کمرہ سونا پڑا تھا، برات کا دولہا غائب ہو چکا تھا، کمرے میں اس کی تصویر تھی، سامان تھا، بستر تھا، کتابیں تھیں، سب کچھ تھا، لیکن وہ نہ تھا، اور اس کے نہ ہونے سے، یہ آراستہ پیراستہ کمرہ، بھائیں بھائیں کر رہا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا، اپنے آقا کی نا مرادی پر خون کے آنسو رو رہا ہے، ——— اس دنیا میں بھی کیسی کیسی نرالی اور انوکھی باتیں ہوتی رہتی ہیں،

میں آیا، پھر ڈیوڑھی میں گیا، وہاں زمین پر اس گھر کا پرانا وفادار ملازم
رضائی اوڑھے، خراٹے لے رہا تھا، اس نے بہت آہستہ سے ڈیوڑھی کا
دروازہ کھولا، باہر نکلا، اور گھر کے دروازہ کو پھیر سے بھیڑ کر، سڑک
پر ہولیا،

راستہ سنسان تھا، کہیں کہیں کتوں کے بھونکنے کی آواز آ رہی تھی
سڑک پر نہ کوئی یکہ تھا، نہ تانگہ، لیکن اس وقت اسے یکہ اور تانگہ کی ضرورت
نہیں تھی، وہ کتوں کی دعوت جنگ کو نظر انداز کرتا ہوا، اپنے خیال میں
غرق، اپنی دھن میں مست، بڑھا جا رہا تھا، ایک نامعلوم منزل کی طرف
ایک نامعلوم سمت کی جانب، نہ اس کے پاس کوئی سامان تھا، نہ اس کی جیب
میں نوٹوں کی گڈی تھی، وہ چھٹا، چھریرا، ہلکا پھلکا، رواں دواں
بڑھا چلا جا رہا تھا، ایک نامعلوم منزل کی طرف، ایک نامعلوم سمت کی جانب
وہ تاریکی میں راستہ بناتا، آگے بڑھتا رہا، یہاں تک کہ
اس کا وجود ایک سایہ میں تبدیل ہو گیا، اور آخر یہ سایہ، اپنی جھلک دکھا کر
نظروں سے اوجھل ہو گیا،

اور ساجدہ بیگم اپنے بستر پر ٹانگ پھیلائے، چین کی نیند سو رہی تھیں
وہ سو رہی تھیں، اور شاید، عالم خواب میں بھی، عائشہ اور احمد کی شادی
کے پروگرام بنا رہی تھیں، ان کے چہرہ پر خوشی کا نور چمک رہا تھا، ہونٹوں
پر ایک ہلکا سا تبسم کھیل رہا تھا، ان کی آنکھوں کے سامنے احمد دولہا بنا
کھڑا تھا، اور وہ اس کی چٹاچٹ بلائیں لے رہی تھیں، عائشہ دلہن بنی
ہوئی گٹھری کی طرح سمٹی سمٹائی بیٹھی تھی، اور وہ اسے پیار کر رہی

"ارے نمک حرام کے دفعہ کہوں احمد کو بلا لا ذرا!"
وہ جا کر پھر لوٹ آئی، اور پھر وہی سابقہ الفاظ اس نے دہرا دئے۔
"وہ تو نہیں ہیں کمرہ میں!"
ساجدہ نے بگڑ کر کہا،
"پھر کہاں ہے؟"
"میں کیا جانوں بی بی!"
"باہر ہوگا، اسماعیل سے کہدے اسے بلائے"
تھوڑی دیر اس نے اسماعیل کی طرف سے بھی وہی پیغام سنایا،
"وہ تو کہتا ہے کہ باہر بھی نہیں ہیں"
اب تو ساجدہ بیگم گھبرائیں انہوں نے امجد سے کہا،
"کہاں گیا ہے احمد"؟
"گئے کہاں ہوں گے؟ یہیں کہیں ہوں گے آجائیں گے ابھی"
ساجدہ کی ان الفاظ سے تسلی نہ ہوئی لیکن، پھر بھی انہوں نے خاموشی اختیار کر لی، اندر سے ان کا دل دھڑک رہا تھا، نہ جانے کیوں؟ لیکن وہ اپنے اضطراب اور تشویش کو ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھیں، کیونکہ اضطراب اور تشویش کی کوئی معقول وجہ نہیں تھی، چلا گیا ہوگا، کسی سے ملنے جلنے، آجائیگا وہ خود اپنے دل کو اس خیال سے تسلی دینے کی کوشش کرنے لگیں،
یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی، احمد کا کمرہ سونا پڑا تھا، اور اس کا کہیں پتہ نہ تھا، اب تکلف بالائے طاق رکھ کر انہوں نے باقاعدہ گھر کے کونہ کونہ میں احمد کو ڈھونڈنا شروع کیا، لیکن جستجو ناکام ہوئی، اور گوہر

باب ۱۱

اور جب صبح ہوئی!

صبح ہوتے ہی گھر میں پھر چہل پہل شروع ہو گئی، سائرہ اور ساجد
میں مشورہ ہونے لگے، امجد باہر جانے کی تیاریاں کرنے لگا، عائشہ بدستو
اپنے گوشۂ عافیت میں سوجی ہوئی آنکھوں اور تڑپتے ہوئے دل کو لے
بیٹھی رہی، نوکر چاکر اپنے کام میں لگ گئے،

لیکن احمد کہاں ہے؟ وہ کیوں نہیں دکھائی دیتا، کہاں گیا وہ
احمد کو نہ دیکھ کر یہ خیالات ساجدہ بیگم کے دل میں آئے، انہوں نے ملازمہ سے کہا
"جا ذرا احمد کو تو بلا لا!"
وہ واپس آئی، اور اس نے کہا،
"وہ تو نہیں ہیں کمرہ میں!"
ساجدہ پھر باتوں میں لگ گئیں، انہوں نے سوچا یہیں کہیں ہو گا
آجائے گا، ابھی، پھر ناشتہ کا وقت آیا، اور سب لوگ آکر ناشتہ کی
میز کے گرد جمع ہو گئے، اس مجمع میں بھی احمد نہیں تھا، ساجدہ کے دل
میں کھٹک پیدا ہوئی، انہوں نے ذرا تلخ لہجہ میں ملازمہ سے کہا،

ں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا یہ دفعتہً کیا ہوگیا، احمد کیوں روپوش ہوگیا،
ہ یہ خبر ماں کو کس طرح سنائے، خالہ کو کیونکر بتائے؟ وہ اسی حیص بیص
ں چپ چاپ کھڑا تھا، کہ سائرہ نے امجد کے ہاتھ سے خط لے لیا، اور
ر پڑھنا شروع کیا، اب ساجدہ سے بھی ضبط نہ ہوا، وہ بھی ساتھ ساتھ
ط پڑھنے میں شریک ہوگئیں، خط پڑھتے پڑھتے دونوں..... بہنوں نے
ھاڑیں مار کر رونا شروع کر دیا، اور دفعتہً وہ گھر جو ابتک مسرت کدہ
ا ہوا تھا، ماتم سرا بن گیا،

ساجدہ پر تو روتے روتے بے ہوشی طاری ہوگئی، سائرہ کا
ال بھی غیر تھا، فوراً ہی یہ خبر، گھر بھر میں پھیل گئی، اور عائشہ کو بھی
ن گن مل گئی وہ بھی بھونچکا رہ گئی کہ یہ کیا ہوگیا؟ گھر میں جو بھی تھا
ہ یا تو سائرہ اور ساجدہ کے ساتھ رو رہا تھا، یا تصویر حیرت بنا
ہوا تھا،

امجد نے محسوس کیا اس طرح رونے دھونے سے کام نہیں چلے گا، وہ
فوراً باہر آیا، اور مختلف اطراف میں، اس نے آدمی احمد کی تلاش میں
دوڑا دیئے، اور خود بھی اسی فکر میں سرگرداں اور پریشان نکل کھڑا ہوا
امجد نے اور اس کے آدمیوں نے شہر کا کونہ کونہ اور چپہ چپہ چھان مارا،
لیکن احمد کا سراغ نہ ملنا تھا نہ ملا،

شام تک سب لوگوں نے واپس آ آکر اپنی کارگزاریوں کی رپورٹیں
دیں، اور سب کا ماحصل یہی تھا، کہ کنوئیں میں بانس ڈالدیئے، لیکن احمد
کا پتہ نشان کسی طرح نہ چل سکا۔

مقصود ہاتھ نہیں لگا،
وہ سیدھی احمد کے کمرہ میں آئیں، اور وہیں انہوں نے امجد کو بلا
وہ آیا تو اس سے کہا،
"میرے دل میں ہول اٹھ رہی ہے، آخر بے کہے سنے وہ چلا کہاں گ
وہ تو کہیں بھی مجھ سے کہے بغیر نہیں جاتا تھا"!
اب امجد کو بھی تشویش ہونے لگی تھی، اس نے کہا،
"میں خود حیران ہوں اماں!"
"تو پتہ لگاؤ، ادھر ادھر ڈھونڈو، کچھ ہاتھ پاؤں تو ہلاؤ"
"میں سمجھ رہا تھا وہ نصرت بھائی کے ہاں گئے ہوں گے، لیکن
تو خود ابھی تھوڑی دیر ہوئی، انہیں تلاش کرتے ہوئے آئے تھے!"
اب سائرہ بیگم بھی آچکی تھیں اور وہ بھی خاموشی کے ساتھ بہ
کی تشویش میں حصہ لے رہی تھیں، ساجدہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے
انہوں نے بڑی بے بسی اور بے چارگی کے ساتھ کہا،
"آخر کہاں گیا میرا احمد؟"
دفعتہً امجد کی نظر میز پر پڑی، ایک بند لفافہ اسے نظر آیا، ا
قریب آکر دیکھا تو سوادِ خط احمد کا تھا، اس نے بیتابی اور اشتیا
ساتھ ماں سے کہا،
"یہ خط تو بھیا کا ہے!"
یہ کہہ کر اس نے جلدی جلدی لفافہ چاک کیا، اور خط پڑھنے
جب پڑھ چکا، تو اس کا چہرہ ہیبت اور دہشت کے سبب سفید پڑ

گمشدگی کے مسئلے پر غور کرتا تھا، اس کا سبب جاننے کی کوشش کرتا تھا، اس کی علت معلوم کرنا چاہتا تھا، اتنا اتنا اس کا دماغ مختل ہوتا جاتا تھا، اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ اصل معاملہ کیا ہے؟ راز کیا ہے؟ بات کیا ہے؟ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ کس لئے ہوا؟ اس ذہنی اور دماغی کش مکش نے اس کے اعصاب پر اثر کیا، اور وہ خطرناک طور پر بیمار ہو گیا، امجد، ماں اور خالہ دونوں کا چہیتا تھا، لیکن احمد کی گمشدگی نے اسے چھوٹی آنکھ کا تارا بنا دیا تھا، اس کی ذرا سی علالت بھی کافی تشویش انگیز ان دیکھے ہوئے دلوں کے لئے ہو سکتی تھی، لیکن اس خطرناک علالت نے تو سب کے آئے گئے اوسان خطا کر دیئے تھے، اور سب بڑی تندہی اور جانفشانی سے اسے تندرست اور توانا کرنے کی فکر میں لگ گئے،

ڈاکٹروں کی تشخیص یہ تھی، کہ انہیں کوئی بہت بڑا صدمہ پہنچا ہے ضرورت اس کی ہے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ خوش رکھا جائے، اور ذرا بھی صدمہ ان کے دل کو نہ پہونچنے دیا جائے، ورنہ اندیشہ ہے، کسی دن دل کی حرکت بند ہو جائے گی، اور یہ قیمتی وجود بھی اس غمکدہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھین لیا جائے گا،

سائرہ اور ساجدہ نے امجد کو خوش رکھنے کی ڈیوٹی اپنے ذمہ لے رکھی تھی، اور ہمارے ارشد میاں بھی اسے دلچسپ لطیفے سنا سنا کر خوش رکھنے کی کوشش کیا کرتے تھے،

اس حادثہ نے ساجدہ کو ایک ہی دن میں اور زیادہ بوڑھا کر دیا، امجد کی صورت بدل دی، گھر بھر میں سناٹا پیدا کر دیا، لیکن جو جا چکا تھا، وہ پھر ہاتھ نہ آیا،

دوسرے ہی روز ڈھاکہ سے ارشد میاں بھی آ گئے، انھوں نے پولیس کے ذریعہ اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لا کر، احمد کا کھوج لگانے کی کوشش کی، انعام کا بھی اعلان کیا، لیکن پولیس بھی ہار جھک مار کر خاموش ہو گئی، اور اس نے بھی فیصلہ کر لیا کہ یا تو احمد میاں نے خدانخواستہ دریا میں ڈوب کر خودکشی کر لی ہے، ——— کیونکہ ایک نوجوان کی لاش بھی دریائے گومتی سے برآمد ہوئی تھی، لیکن اتنی خراب ہو چکی تھی کہ شکل و صورت کا پہچاننا ناممکن ہو گیا تھا، اور شبہ تھا، کہ ممکن ہے یہ لاش احمد ہی کی ہو، ——— یا پھر کسی ایسی دور دراز جگہ چلے گئے ہیں، جہاں کوئی سراغ نہیں لگ سکتا،

اس غم کا امجد پر بہت گہرا اثر تھا، اور آخر وہ سخت بیمار پڑ گیا، امجد کی بیماری نے "یک نہ شد دو شد" کا کام کیا، ابتک تو احمد کی گمشدگی یا خودکشی کا غم تھا، اب امجد کی بھی جان کے لالے پڑنے لگے، ماں اور خالہ اس غم میں کڑھنے لگیں، کہیں یہ آخری دولت بھی چھن نہ جائے، اور اس سے بھی ہاتھ نہ دھونا پڑیں،

نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ احمد کا غم بھول گئے، اور امجد کی فکر میں لگ گئے، امجد کو ایک غم تو تھا، بھائی کی دفعتہً اور بے سان و گمان جدائی کا، اور دوسرا غم تھا، اس کی پراسرار گمشدگی کا، وہ جتنا جتنا احمد کی

انہوں نے بند کرا دیا تھا، اور آج تک اس میں قدم نہیں رکھا تھا، وہ احمد کو اور اس کی یاد کو بھول جانا چاہتی تھیں، لیکن، وہ ہر وقت ان کی آنکھوں میں گھوما کرتا تھا، ہر وقت اس کی یاد ان کے دل میں چٹکیاں لیا کرتی تھی، کوئی وقت ایسا نہیں تھا، جب احمد کی باتیں انہیں نہ یاد آتی ہوں، اس کی تصویر ان کی آنکھوں کے سامنے نہ پھرنے لگتی ہو، یوں تو امجد بھی اس غم سے نڈھال تھا، لیکن، ماں کا دل کچھ اور ہوتا ہے، ماں کے غم کو کون پہونچ سکتا ہے،

امجد اب بستر علالت سے اٹھ چکا تھا، بڑی دھوم دھام سے اس کے غسل صحت کی تقریب منائی گئی تھی، اس کی صحتیابی کی خوشی نے ساجدہ کے مرجھائے ہوئے دل کو بھی تر و تازہ کر دیا تھا، لیکن عارضی طور پر، بڑی سے بڑی خوشی بھی ان کے دل کو خوش نہیں کر سکتی تھی، ناسور کبھی اچھا نہیں ہوتا، وہ زندگی بھر رستا رہتا ہے، احمد کی جدائی نے ان کے دل کو پھوڑا بنا دیا تھا، اور وہ پھوڑا، اب ناسور کی شکل اختیار کر چکا تھا، یہ ناسور سرہم سے بے نیاز تھا، اسے رسنے، اور ٹپکنے ہی میں لطف آتا تھا، اسی میں اس کی زندگی تھی، یہ زخم خشک ہو تو مر جاتا ہے، رستا رہے تو تر و تازہ رہتا ہے، وہ اپنے زخم دل کو خشک کرنا نہیں چاہتی تھیں، تر و تازہ رکھنا چاہتی تھیں،

ارشد میاں ایک مہینہ کی چھٹی لیکر آئے تھے، لیکن تین مہینہ انہوں نے یہاں گزار دیئے، آئے تھے بیوی کو لینے، اور لڑکی کی شادی کرنے لیکن یہاں آکر انہیں احمد کا غم دیکھنا پڑا، پھر امجد کی خطرناک بیماری

باب ۱۲

اور ایک دن ——

غم بھی وقت کی طرح دبلتی پھرتی چھاؤں ہے، آتا ہے اور چلا جاتا ہے احمد کی جدائی کا غم بھی، کچھ دنوں کے بعد اپنی بہار دکھا کر رخصت ہو گیا اب پھر وہی گھر تھا، اور وہی اس کے قہقہے اور چیخیں، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہے، البتہ ساجدہ کی آنکھوں میں، آنسو برابر ڈھلکتے رہتے تھے، وہ برابر خاموش تھیں، اپنے غم کو چھپائے ہوئے تھیں، لیکن اندر ہی اندر یہ غم انہیں کھاتا جا رہا تھا، بلکہ اگر یہ کہا جائے، دیمک کی طرح اس غم نے ان کے دل کو، اور جسم ناتواں کو چاٹ کر کھوکھلا کر دیا تھا، تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا،

وہ اب محسوس کر رہی تھیں، کہ زندگی کا سفر.... اختتام تک پہونچنے والا ہے، وہ موت سے ڈرتی نہیں تھیں، اس کے استقبال کے لئے تیار تھیں، سچی بات تو یہ ہے، کہ یہ زندگی ان کے لئے، بے کیف اور بے رنگ ہو کر رہ گئی تھی، اس میں وہ کوئی جاذبیت اور دلچسپی نہیں محسوس کر رہی تھیں، بعض وقت تو موت کی خواہش کرنے لگتی تھیں، چاہتی تھیں کہ زندگی کے بوجھ سے جس قدر جلد سبکدوش ہو جائیں، اتنا ہی بہتر ہے، احمد کا غم

"کیا عائشہ کو بھی لیتی جاؤ گی!"

"اس کے باپ کی رائے تو یہی ہے!"

"خود تمہاری رائے کیا ہے؟"

"وہ یہاں اکیلی رہ کر کیا کرے گی آپا!"

"میں جو ہوں!"

"تو تم رکھنا چاہتی ہو اسے اپنے پاس رکھ لو!"

"لیکن کس لئے رکھنا چاہتی ہوں، یہ بھی تو تمہیں معلوم ہے!"

سائرہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، انہوں نے روتے ہوئے کہا،

"آپا یہ زخم کیوں تازہ کرتی ہو؟"

ساجدہ کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے، انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا،

"لیکن جتنا گہرا گھاؤ، میرے دل میں ہے، میں ہی جانتی ہوں!"

سائرہ کے جواب کا انتظار کئے بغیر بڑی عاجزی اور مسکینت کے ساتھ ساجدہ نے کہا،

"ایک بات میری مان لو گی سائرہ"

"آپا تمہاری بات نہ مانوں، بھلا یہ ہو سکتا ہے مجھ سے"!

"پھر تجھ سے بھیک مانگتی ہوں عائشہ کی!"

"ایسی باتیں نہ کرو آپا، بھیک مانگیں تمہارے دشمن، ایسی ایسی ہزار عائشہ ہوں، تو انہیں قربان کر دوں تم پہ ——— کہہ تو چکی رکھ لو اسے!"

نے انہیں روک لیا، اب وہ تندرست ہو چکا تھا، مزید رخصت ملنی بھی ناممکن تھی، لہٰذا.... ان کا اسباب بندھ رہا تھا،

ساجدہ بیگم، سائرہ کا سامان بندھتے دیکھ رہی تھیں، لیکن خاموش تھیں، ہیں پرائے گھر کی بہو تھی، اسے وہ ہمیشہ تو اپنے پاس نہیں رکھ سکتی تھیں، اتنے دن رہ گئی یہی بہت ہے، عائشہ کو اپنی بہو بنا کر، اپنے دل کی ٹھنڈک بنا کر، انہوں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے پاس رکھنا چاہا تھا، لیکن ان کی یہ تمنا بھی پوری نہ ہو سکی، دولہا، سہرا، باندھنے سے پہلے روپوش ہو گیا، دلہن موجود تھی لیکن اب پھر چھینی جا رہی تھی، ہاتھیں آکر، اپنی ہو کر چھینی جا رہی تھی، سائرہ کے ساتھ وہ بھی جا رہی تھی، خود سائرہ کا جانا ساجدہ کے لئے کچھ غم انگیز نہیں تھا، لیکن ان کے ساتھ عائشہ کا رخصت ہونا ان کے لئے قیامت سے کم نہیں تھا، واقعی عائشہ کو اولاد سے زیادہ چاہنے لگی تھیں، اس کے سمجھاؤ، چلن اور نیکی نے ان کے دل میں بڑی جگہ پیدا کر لی تھی، وہ چاہتی تھیں، اس دولت بے بہا کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیں، لیکن کیا کریں، اسے کس طرح روکیں؟ کیونکر پھر اسے اپنا بنالیں؟

ایک روز ساجدہ نے سائرہ سے کہا،

"تو تم نے طے کر لیا کہ چلی جاؤ گی!"

"جی تو نہیں چاہتا، لیکن کیا کروں آپا، میں بھی مجبور ہوں!"

"میں جانتی ہوں"

کچھ دیر خاموش رہ کر، ساجدہ نے پھر کہا،

سائرہ نے پھر روتے روتے کہا،
"آخر تم بار بار موت کا ذکر کیوں کئے جا رہی ہو!"
"اس لئے کہ وہ میرے سامنے کھڑی... مجھے بلا رہی ہے!"
"خدا نہ کرے"!
"تیرے خدا نہ کرے کہنے سے کیا ہوتا ہے؟ میں تو اسے دیکھ رہی ہوں!"
سائرہ پھر رونے لگی، ساجدہ نے اس سے مخاطب ہو کر کہا،
"لیکن یہ تیرے اختیار میں ہے، کہ میری موت خوشی کی موت ہو!"
"پھر وہی آپا! اگر تم اسی طرح موت کا ذکر کئے جاؤ گی، تو میں اٹھ کر چلی جاؤں گی!"
"میں ابھی تجھے نہیں جانے دوں گی، بہت سی باتیں کہنی ہیں بہت سی باتیں کرنا ہیں!"
"تو کہو نا!"
"پہلی بات، بلکہ پہلی اور آخری بات یہ ہے کہ میں عائشہ کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہوں، احمد میرے ہاتھ سے نکل گیا، لیکن امجد خدا کا موجود ہے، جب تک امجد اور عائشہ کی شادی نہیں ہو جائے گی، میری روح بیقرار رہے گی، قبر میں بھی مجھے آرام نہیں ملے گا ——— میں عائشہ کو اپنی بہو بنا چکی ہوں، سوچتی ہوں کہ وہ کسی دوسرے گھر میں بہو بنکر جائے گی تو میرے دل پر آرے چلنے لگتے ہیں، اختلاج ہونے لگتا ہے مجھے!"

"اس طرح نہیں!"

"پھر کس طرح؟"

"میں اسے اپنی بہو بناؤں گی!"

سائرہ خاموش رہی، انہوں نے کچھ جواب نہ دیا، ساجدہ نے پھر کہا،

"بتاؤ بولو ——— سائرہ میری زندگی کا اب کچھ ٹھیک نہیں، احمد کی جدائی نے مجھے ادھ موا کر دیا ہے نہ جانے کب یہ سانس چلتے چلتے رک جائے ———"

سائرہ نے روہانسی ہو کر کہا،

"اللہ آپا یہ باتیں نہ کرو، خدا تمہیں زندہ رکھے، تم مایوس کیوں ہوتی ہو؟"

ساجدہ نے ایک پھیکے تبسم کے ساتھ کہا،

"مایوس! ——— مایوس وہ ہوتا ہے، جس کی آس ٹوٹے یہاں اب کوئی آس ہی نہیں رہ گئی ہے زندگی کی، میں تو موت کی تمنا کر رہی ہوں، سائرہ اب زندگی میرے لئے بیکار ہے، میں زندگی کے لئے بیکار ہوں!"

سائرہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسوؤں کے قطرے گرنے لگے، ساجدہ نے کہا،

"ارے پگلی تو روتی کیوں ہے؟ موت کسے نہیں آتی؟ کون جیتا رہتا ہے ہمیشہ!"

"امجد کا عندیہ لے لوں یہی نا؟"

"ہاں!"

"لے چکی!"

"کیا کہا اس نے"؟

"کہتا کیا، وہ میری مرضی سے باہر نہیں جا سکتا، اس نے کہا، اماں، میں جانتا ہوں، تمہارا دل دکھا ہوا ہے، تمہاری بات میں ٹال نہیں سکتا، اس پر میں نے کہا، لیکن یہ زندگی بھر کا معاملہ ہے، اگر تجھے بھی یہ رشتہ منظور ہو تو حامی بھر، میری مرضی کی پروا نہ کر، اس نے کہا عائشہ جیسی لڑکی، جس شخص کی بیوی بنے، اس کے خوش قسمت ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ میں نے کہا پھر میں تیاریاں کرتی ہوں، اس کی بھی اس نے اجازت دے دی!"

"تم جانو آپا، مجھے تو کچھ کہنا نہیں ہے!"

"بس تو میں بسم اللہ کرتی ہوں، تیاریاں تو کرنی نہیں ہیں، سب کچھ پہلے ہی سے ٹھیک ٹھاک ہے، صرف قاضی کو بلا کر دو بول نکاح کے پڑھا دینے ہیں، اور کیا؟"

پھر ساجدہ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا،

"لیکن ذرا ارشد کی رائے بھی تو معلوم کر لو!"

"اونھ، اب اون سے میں کیا پوچھتی پھروں، میں نے منظور کر لیا تو وہ کون ہوتے ہیں دخل در معقولات کرنے والے؟"

"پھر بھی!"

"آپا، تمہاری خوشی میری خوشی ہے، تم جو کچھ کہتی ہو، میں اس سے باہر نہیں ہوں، لیکن ——————

"لیکن کیا؟ وہ بھی کہہ ڈالو!"

"ذرا امجد کا عندیہ تو لے لو!"

"لے چکی عندیہ!"

"یوں سرسری نہیں باقاعدہ، عندیہ تو تم نے، احمد کا بھی لیا تھا، لیکن دیکھ لو انجام کیا ہوا؟"

"سائرہ میں قیامت تک نہیں یہ ماننے کی، کہ میرا احمد برا تھا، یا وہ عائشہ کو ناپسند کرتا تھا، یہ ایک راز ہے، کہ اس نے رضامندی ظاہر کر کے شادی سے انکار کیوں کیا؟ روپوش کیوں ہوا؟ یا خودکشی کیوں ہوئی؟ اور یہ راز ہمیشہ راز ہی رہے گا، کیونکہ کسی کو بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہے!"

"یہی تو میں کہتی ہوں!"

"کیا؟"

"میں عائشہ کو تمہیں دے چکی تم جس کے ساتھ چاہو اس کا ہاتھ پکڑا دو، لیکن ہاتھ پکڑانے سے پہلے یہ اطمینان کر لو، کہ اسے یہ رشتہ دل سے منظور ہے!"

"اب تو مجھے نصیحت پر نصیحت کیوں کئے جا رہی ہے، میں جانتی ہوں مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ اور جو کچھ مجھے کرنا چاہیئے، وہ میں نے کر لیا ہے!"

"ذرا میں بھی تو سنوں!"

افسردگی، دونوں کے چہرہ پھول کی طرح کھلے ہوئے تھے، اور آخر ایک دن وہ آیا، کہ یہ دو تڑپتی ہوئی روحیں، ایک دوسرے کے جان و دل کی مالک بن گئیں!

"ہاں ہاں کسی وقت سنا دوں گی بس اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں!"

"تو آج دوشنبہ ہے، اسی جمعرات کو خدا چاہے تو نکاح ہو جائے گا!"

"جیسی تمہاری مرضی!"

سنسان اور ویران گھر میں پھر شادیانے بجنے لگے، پھر خوشی اور مسرت کی گھما گھمی شروع ہو گئی، کل تک جن آنکھوں میں آنسو تھے آج وہ مسرت کے نشہ سے بھری ہوئی تھیں، عائشہ کا دل بھی خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا، اور امجد کے دل میں بھی مسرت کے طوفان اٹھ رہے تھے، مایوسی کے بعد جب آس بندھتی ہے، ناکامی کے بعد جب کامیابی ہوتی ہے، تو خوشی اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، امجد اور عائشہ دونوں مایوس ہو چکے تھے، دونوں کی آس ٹوٹ چکی تھی، دونوں یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ وہ اب زندگی بھر ایک نہیں ہو سکتے، لیکن دفعتہً ان کے کانوں میں یہ خوشگوار صدا پہونچی کہ وہ ایک رشتہ میں منسلک کئے جا رہے ہیں اور اس صدا کے سنتے ہی وہ اپنا سارا غم بھول گئے، اور خوشی کے جھولے جھولنے لگے، غم کی دنیا سے وہ بہت دور نکل کر، اور نشا و کامرانی کے قلعہ میں داخل ہو چکے تھے، جہاں غم کو آنے کی اجازت نہیں، جہاں عیش و طرب کی نسیم بہار چلتی ہے، فکر و پریشا کی باد سموم کا گزر نہیں،

اب نہ عائشہ کے چہرہ پر اداسی تھی، نہ امجد کے چہرہ

حصّۂ دوم!

۲۵ برس کے بعد

بھیک نہیں مانگتی تھی، وہ راہ چلتے لوگوں کو روک کر، ان کے راستہ کا پتھر بنکر دریوزہ گری نہیں کرتی تھی، اس کے بھیک مانگنے کا ڈھب سب سے نرالا تھا، وہ چوراہے پر کھڑی ہوجاتی، ایک مجرم اور گنہ گار کی طرح اگر کوئی کچھ دیدیتا تو وہ لے لیتی، نہ دیتا تو تقاضا نہ کرتی، وہ منہ سے کچھ نہیں کہتی تھی، فقیر کی صورت سوال ہے، یہ کہاوت اسی پر صادق آتی تھی، اس کی ہیئت کذائی، اور حال زار کو دیکھ کر لوگ سمجھ جاتے تھے، یہ بھکارن ہے، کسی نے گھونگھٹ کی جھولی میں کچھ ڈال دیا، اور کوئی پیسوں کے بجائے نگاہ غلط انداز ڈالتا ہوا آگے بڑھ گیا،

وہ اگر اپنی ہم پیشہ بہنوں کی طرح بھیک مانگتی، تو بڑے مزے میں رہتی، دس پانچ روپے روز بڑی آسانی سے کما سکتی تھی، لیکن وہ انکھیں لڑانا نہیں جانتی تھی، اسے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھنا، اور مسکرانا نہیں آتا تھا، دوسری بھکارنیں، اپنی جوانی کی، اپنے جوبن کی اپنی مدبھری آنکھوں کی نمائش کرتی تھیں، اور اس کا خراج حاصل کرلیتی تھیں لیکن وہ حسین وجمیل ہونے کے باوجود، اس طرح سمٹی سمٹائی دبی دبائی، رہتی تھی، جیسے اسے کوڑھ ہو، اور اپنے بدن کی نمائش کرتے ہوئے جھجھتی اور ڈرتی ہو،

سڑکوں اور چوراہوں پر "اہل نظر" کی کثرت ہوتی ہے، بہت سے دل والے اور نظر والے تھے، جو اس کے میلے گھونگھٹ سے اس کے حسن کی شعاعوں کو چھنتے ہوئے دیکھ لیتے تھے، وہ نوٹ اور روپیہ دکھا کر بھیک دینا چاہتے تھے، وہ اشاروں کا جواب صرف ایک تبسم، یا جلوۂ بے حجاب

باب ۱

بھکارن

وہ ایک بھکارن تھی، ۱۵، ۱۶ سال کی عمر، ناک نقشہ مو
بڑی بڑی آنکھیں، کتابی چہرہ، پتلی کمر، گورا رنگ، گلابی ہونٹ
ساقد، چہرہ ایسا روشن جیسے چودھویں کا چاند، کپڑے اتنے میلے
کہ ان کے رنگ کی تمیز کرنا بھی دشوار، لیکن ان پھٹے پرانے، اور
کچیلے کپڑوں میں بھی وہ رانی معلوم ہوتی تھی، جیسے چاند بادلوں
اندر چھپا ہو، وہ اپنے منہ پر بڑا سا گھونگھٹ لٹکائے رہتی تھی،
ذرا سی جھلک دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا، جیسے چاند بادل کے گھونگھٹ
جھانک رہا ہے، وہ دن بھر بھیک مانگ کر روپیہ بارہ آنہ جمع کر
اور اسی رقم میں اپنا، اور اپنے اندھے، لنگڑے، بوڑھے باپ کا
کرتی تھی، اگر کسی دن وہ بھیک مانگنے نہیں جاتی تھی، تو باپ
دونوں صبر شکر کر کے فاقہ سے پڑ رہتے تھے،

وہ عام بھکارنوں سے الگ تھی، وہ ہاتھ پھیلا پھیلا کر
دے دے کر سفید پوشوں کا پیچھا نہیں کرتی تھی، وہ تقاضہ کر

ہاتھ رکھ کر کہیں،

تم حسن کی خیرات میں کیا دیتے ہو لاؤ
ہر چند تمنائے گدا، اور ہی کچھ ہے

یہ سنکر پہلا آدمی پوچھتا،

"اور ہی کچھ کیا، صاف کہو نہ سرکار سے!"

اور دوسرا بول اٹھتا،

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالبؔ!
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں!

ساتھی پوچھتا،

"تو کھل کر کہو نا، آخر حسن کی سرکار سے چاہتے کیا ہو؟"

وہ کھنکھار کر پہلے گلا صاف کرتا، اور کہتا،

ایک تجلی ایک تبسم، ایک نگاہ بندہ نواز
اس سے زیادہ اے غم جاناں دل کی قیمت کیا کہئے

لیکن وہ ان باتوں کو سنتی ہوئی، آگے بڑھ جاتی تھی، جیسے اپنی زبان بے زبانی سے کہہ رہی ہو "قافلہ گزرتا رہتا ہے، اور کتے بھونکتے رہتے ہیں!"

بعض بھلے مانس، ان غنڈوں اور موالیوں کی باتیں سنکر آپس میں کہتے،

"یہ گودڑ میں لعل کہاں سے آگیا، کپڑے دیکھو تو بھکارن، صورت دیکھو تو پری، عادتیں دیکھو، تو وقار اور شرافت کی تصویر!

یا اشارۂ نہاں سے مانگتے تھے، اور بہت کچھ لٹا دینے پر تیار رہتے تھے، لیکن وہ ان حاتموں کو ایسی حقارت کی نظر سے دیکھتی تھی، کہ وہ خود شرما جاتے تھے، ان کا حوصلہ پست ہو جاتا تھا، اور وہ پھیکی ہنسی ہنستے ہوئے آگے بڑھ جاتے تھے،

وہ سویرے دس گیارہ بجے اپنے جھونپڑے سے بھیک مانگنے نکلتی تھی، اور شام ہوتے ہوتے واپس آجاتی تھی، جو وقت بھکارنوں کے بن سنور کر بازار میں آنے کا ہوتا تھا، وہ وقت اس کے بازار سے رخصت ہونے کا ہوتا تھا، اس کے آنے اور جانے کا وقت مقرر تھا پاس پڑوس کے بعض منچلے اس کی تاک میں رہتے، جب وہ سامنے سے گزرتی تو وہ سیٹیاں بجاتے، گانے لگتے، فقرے سرکرتے، کوئی کسی سے کہتا،

"دیکھنا یار، ملکہ کلوپیٹرا بھیک مانگنے نکلی ہیں!"

دوسرا جواب دیتا،

"بھئی اپن کے پاس تو دل ہے، وہی دے سکتے ہیں، لے لے جس کی جی چاہے!"

تیسرا بیچ میں بول اٹھتا،

"سنا ہے، اس گلی میں حسن کی خیرات بٹتی ہے، آگئے ہم بھی جھولی لیکر!"

اور چوتھا، مسکراتا ہوا، اپنے ساتھی کے چٹکی لیتا اور کہتا،

"ہاں بھئی، چلو یہ سرکار جا رہی ہیں، ان سے ہاتھ جوڑ کر، ملکہ

رات کے آٹھ بج چکے تھے، وہ ایک شاندار دوکان کے سامنے، صورت سوال بنی خاموش کھڑی تھی، ایک سے ایک بڑھ کر، زرکار، اور زرتار ساریاں بجلی کی روشنی میں، شوکیس کے، اندر رکھی ہوئی جگمگا رہی تھیں لیکن اس کی نظرانِ دلکش ساریوں پر نہیں تھی، ان بیگموں اور بی بیوں پر تھی، جو یہ ساریاں خریدنے تشریف لائی تھیں، جب یہ سیکڑوں کے وارے نیارے کر رہی ہیں تو کیا دو چار آنے مجھے نہیں دے سکتیں!

اتنے میں عائشہ بیگم، اپنی ماہ پارا لڑکی، سلطانہ کے ساتھ بیش قیمت ساڑیاں خرید کر نیچے اتریں، دونوں کی نظر ایک ساتھ بھکارن پر پڑی، وہ کچھ سوچ رہی تھی، انہیں اپنی طرف متوجہ دیکھ کر وہ گھبرا سی گئی،

سلطانہ نے ماں کے کان میں کہا،

"کتنی خوبصورت ہے یہ؟"

"عائشہ نے سلطانہ کو تو کوئی جواب نہ دیا، براہ راست بھکارن سے پوچھا،

"کون ہے تو"؟

وہ بڑی سنجیدگی سے بولی،

"بھکارن"!

"نام کیا ہے تیرا"؟

"قمر"

یہ باتیں، فٹ پاتھ پر ہو رہی تھیں، سامنے دو قدم پر فٹ پاتھ

ایک طرف، غربت، فقر و فاقہ، عسرت و فلاکت، دوسری جانب شاہانہ استغنا، باوقار متانت، حسن لازوال، یہ سب چیزیں ایک الھڑ لیکن معصوم ہستی میں جمع تھیں، تماشائی اسے اپنی طرف کھینچنا چاہتے تھے، لیکن ناکام رہتے تھے، اس جیسے غریب لیکن شریف لوگ اس کی بے بسی، اور غنڈوں کی شرارت دیکھ کر آہ سرد بھرتے تھے، اور خاموش ہو جاتے تھے، اگر کچھ کہتے تھے، تو یہ کہ "شرافت اور عزت کسی کی میراث نہیں ہے، دیکھ لو اس چھوکری کو، گزارہ ہے بھیک پر، لیکن وقار نسوانی کا ایسا مجسمہ بڑی بڑی حویلیوں، اور محلوں میں بھی مشکل سے ملے گا،

کل عید تھی، ساری خلقت خرید و فروخت کے لئے ٹوٹ پڑی تھی بازار میں یہ معلوم ہوتا تھا، میلہ لگا ہوا ہے، کھوا سے کھوا چھل رہا تھا مرد عورت، بچے، بوڑھے، سب ہی آج اپنی دریا دلی کا مظاہرہ کرنے پر تلے ہوئے تھے، لیکن روز اس بھکارن کو جو کچھ مل جاتا تھا، آج وہ بھی نہ ملا، لوگ خرید و فروخت میں ایسے الجھے ہوئے تھے، کہ ایک خاموش بھکارن کی طرف ان کے لئے متوجہ ہونا آسان نہ تھا، روز وہ سر شام عین اسی وقت جب بازار جمتا تھا، اور گاہکوں کی ریل پیل ہوتی تھی، واپس چلی جاتی تھی، لیکن آج اس کے پاؤں گھر کی طرف نہیں اٹھ رہے تھے وہ خالی ہاتھ گھر کیسے جاتی، اور پھر کل عید بھی تو تھی، بوڑھا باپ ہمیشہ پھٹے پرانے، کپڑے پہنتا ہے کیا کل بھی اسے نئے کپڑے نہ مل سکیں گے، یہ سوچ سوچتے اس نے فیصلہ کر لیا، کہ آج زیادہ رات تک بھیک مانگے گی، پھر فاقہ ہی کرنا پڑے،

"ایک جگہ اور کی تھی!"
عائشہ بیگم نے مزہ لیتے ہوئے کہا،
"وہاں کیا ہوا؟"
"وہاں سے میں خود نکل آئی!"
"اس دفعہ کیا بات ہوئی تھی!"
"اب کے مجھے شبہ ہو گیا تھا"
عائشہ بیگم مسکرا کر بولیں،
"کس پر؟"
قمر نے بڑی سادگی اور بھولے پن کے ساتھ کہا،
"بیگم صاحبہ کے شوہر پر!"
عائشہ بیگم نے ایک ہلکا سا مترنم قہقہہ لگایا، وہ اب جوانی کی منزل سے گزر کر بڑھاپے کی سرحد میں داخل ہو چکی تھیں، بال سفید ہو چلے تھے جسے عورت کے زوال کا عروج کہنا چاہیئے، پھر بھی ان میں ایک خاص قسم کی جاذبیت اور کشش تھی، وہ مسکراتی ہوئی قمر سے مخاطب ہوئیں،
"ہمارے ہاں کرے گی نوکری؟"
"اب میں نوکری نہیں کرتی کہیں، اب تو مجھے نوکری کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے!"
عائشہ نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، اور کہا،
"ڈرنے کی کوئی بات نہیں، میرے ہاں تجھے کوئی شکایت نہ ہو گی"
سلطانہ بولی،

سے لگی ہوئی، ایک شاندار موٹر کھڑی تھی، عائشہ بیگم، موٹر کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں،

"کب سے بھیک مانگ رہی ہے تو؟"

یہ کہتے کہتے وہ موٹر میں بیٹھ گئیں، قمر ساتھ ساتھ آئی تھی، وہ بولی،

"جب سے ہوش سنبھالا ہے، یہی کام کر رہی ہوں!"

"کہیں نوکری کیوں نہیں کر لیتی؟"

"نوکری ہم غریبوں کو مہنگی پڑتی ہے بی بی!"

"کیا مطلب"؟

"ایک جگہ نوکری کی تھی نکالدی گئی وہاں سے!"

"کیوں؟"

"بیگم صاحبہ کو شبہ ہو گیا تھا!"

"تجھ پر؟"

"جی مجھ پر بھی اور اپنے شوہر پر بھی!"

اب عائشہ بیگم کو، قمر کی باتوں میں مزہ آنے لگا تھا، انہوں نے دلچسپی کے ساتھ پوچھا،

"پھر کیا ہوا؟"

"پھر کیا نکال دی گئی جوتے مار کے!"

عائشہ بیگم اس صاف اور بیباک گفتگو سے بہت لطف اندوز ہو رہی تھیں انھوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا،

"پھر کہیں نہیں کی نوکری؟"

گاڑی اسٹارٹ ہو رہی تھی، کہ قمر نے پھر لب ہلائے،

"اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں!"

"کیا بات ہے؟"

"اگر آپ کو بھروسہ ہو کہ میں کل کام پر آجاؤں گی، اور آپ کو دھوکہ نہیں دوں گی، تو پانچ روپے پیشگی دیدیجئے، پھر تنخواہ میں کاٹ لیجئے گا ——— !"

عائشہ کو اس تھوڑی دیر میں قمر پر کافی بھروسہ ہو گیا تھا لیکن انہوں نے پوچھا،

"کیا کرے گی"؟

"کل عید ہے، بابا کے پاس کپڑے نہیں ہیں، ایک سلا سلایا جوڑا لے جاؤں گی، ان کے لئے!"

یہ سنکر عائشہ نے اپنا ہینڈ بیگ کھولا، اور دس روپیہ کا ایک نوٹ اس کی طرف بڑھاتی ہوئی بولیں،

"یہ لے"!

قمر نے نوٹ لے لیا، اور شکر گزار نظروں سے عائشہ بیگم کو دیکھنے لگی، گاڑی اسٹارٹ ہوئی، اور ہوا سے باتیں کرتی ہوئی، روانہ ہو گئی اور وہ اس وقت تک وہیں کھڑی رہی، جب تک گاڑی نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی، وہ سوچ رہی تھی، دنیا میں سب برے نہیں ہوتے، اچھے لوگ بھی مل جاتے ہیں،

پھر وہ آگے بڑھی، اور ایک دکان پر پہونچکر، اس نے باپ کے لئے

"میں تجھے صرف اپنی پیش خدمت کے طور پر رکھوں گی!"
عائشہ نے پھر قمر کی دلدہی، اور تسکین کرتے ہوئے کہا،
"سلطانہ کے باپ دن بھر، نماز، روزہ، یا اپنے کاروبار کی دیکھ بھال میں لگے رہتے ہیں، اتنے بڑے گھر میں بس ہم ماں بیٹی ہیں کوئی بات کرنے والا بھی نہیں، موئی مامائیں ہیں، وہ ایک کام چور، حرامخور تیری باتوں سے معلوم ہوتا ہے تو، تمیز اور سلیقہ جانتی ہے!"
ڈرائیو نے موٹر اسٹارٹ کیا، عائشہ بیگم نے بڑی شفقت سے پوچھا
"بول کرے گی نوکری"
قمر نے عائشہ کی شفقت، اور سلطانہ کی مہربانی میں شرافت اور انسانیت کا جلوہ دیکھا وہ راضی ہوگئی، اس نے کہا،
"کرلونگی"!
"تو آ بیٹھ جا ڈرائیور کے پاس!"
"آج سے نہیں کل سے!"
"اچھا کل سے سہی!"
"اپنا پتہ بتا دیجئے"!
"وہ نخاس کے پاس پیلی کوٹھی ہے نا، وہی ہمارا گھر ہے، خان بہادر صاحب کو تو جس سے پوچھے گی، بتا دے گا!"
"میں کل سے آجاؤں گی، آج جاکر، بابا سے اجازت لے لوں،"
"اچھا اچھا، کوئی حرج نہیں، کل سے آجائیو، لیکن آئیو ضرور!"
"ضرور آؤں گی سرکار!"

باب ۲

باتیں

قمر جب گھر پہنچی، تو اس نے باپ کو اپنا منتظر پایا، اس نے آہٹ سنتے ہی کہا،

"کون؟ قمر؟"

"ہاں بابا، میں ہوں!"

"ارے آج اِتنی دیر کہاں لگا دی تو نے بیٹی، میرا تو کلیجہ منہ کو آ رہا تھا،"

قمر نے مختصر الفاظ میں آج کی ساری سرگزشت سنائی، اور باپ کے سامنے کپڑوں کا جوڑا رکھ دیا، اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا،

"بیٹی، مجھ اندھے لنگڑے کے لئے، تجھے کپڑے لانے کی کیا ضرورت تھی؟ لانا تھا تو اپنے لئے لاتی، یہ تیرے کھانے پہننے کے دن ہیں میرے نہیں!"

قمر نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا، اور کہا،

"تو بابا نوکری کر لوں پھر؟"

"نوکری؟ کہاں؟"

ایک جوڑا کپڑے کا خریدا، اب روپیہ کی کمی نہیں تھی، ایک جوتہ بھی لیا، اور اس چھوٹی سی گٹھری کو لیکر، اپنے جھونپڑے کی طرف روانہ ہو گئی، وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی، گھونگھٹ میں اپنے چاند سے چہرہ کو چھپائے چلی جا رہی تھی، کبھی کبھی اِدھر اُدھر دیکھ بھی لیتی تھی، وہ ڈر رہی تھی رات کے ۹ بج چکے تھے، اور اتنی دیر تک وہ کبھی گھر سے باہر نہیں رہی تھی، یہ سوچ کر اس کا دل دہلنے لگتا تھا، کہیں غنڈے راستہ میں نہ مل جائیں، اور اس سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنے لگیں، لیکن وہ اپنے جھونپڑے میں پہونچ گئی، اور راستہ میں اسے کوئی غنڈہ نہیں ملا،

"تو رو رو کر کیوں ہلکان ہوئی جا رہی ہے؟"

قمر نے کوئی جواب نہیں دیا، البتہ رونے کی رفتار اور تیز کر دی،

نوارا تلخ تر می زن چو ذوق کمیابی
حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گران بینی

یہ ترکیب کام کر گئی، اندھے باپ کا غصہ کافور ہو گیا، اور اس کے دل میں مہر و محبت کا سمندر لہریں مارنے لگا، وہ قمر کے پاس آیا، اور اس نے کہا،

"بیٹی، نا سمجھی کی باتیں نہ کر، میں تیرے ہی بھلے کے لئے تجھے منع کرتا ہوں، تو اس دنیا کو، یہاں کے رہنے والوں کو، انسان کی صورت رکھنے والے شیطانوں کو نہیں جانتی!"

قمر نے روتے روتے کہا،

"خوب جانتی ہوں بابا، لیکن وہ لوگ ایسے نہیں ہیں، ایسا گھر تو نصیبے سے ملتا ہے، نہ کام زیادہ، نہ مردوں کا ہجوم اتنا بڑا گھر، اور خالی ماں بیٹی، یا بوڑھے خان بہادر صاحب، بیگم صاحبہ کہہ رہی تھیں وہ ہر وقت اپنے کام میں لگے رہتے ہیں، یا نماز پڑھتے رہتے ہیں، میں بھیک مانگتے مانگتے عاجز آ گئی ہوں، اب بھیک مانگتے ہوئے مجھے بڑی لاج آتی ہے، لوگ ایسی نگاہوں سے مجھے گھورتے ہیں، کہ میں پانی پانی ہو جاتی ہوں، اگر کسی اچھے گھرانے میں نوکری مل جائے، تو کتنی اچھی طرح کام چلے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بھیک مانگنے کی ذلت سے نجات مل جائے ——— اب ایک اچھا گھرانا مل گیا ہے تو تم منع کر رہے ہو"

"وہیں خان بہادر صاحب کے یہاں، اور کہاں؟"

"بیٹی میری رائے تو نہیں ہے، ان دولت مند گھروں میں انسان نہیں شیطان بستے ہیں، ہم غریبوں کا ان شیطانوں کے ہاں گزر نہیں ہو سکتا!"

خود قمر کی بھی، دولت مندوں کے بارے میں یہی رائے تھی، اس سے قبل وہ دو... بڑے گھروں میں نوکری کر چکی تھی، اور وہاں کے تلخ تجربے کے بعد اس نے بھی یہی رائے قائم کی تھی، کہ اونچی حویلیاں انسانوں کا نہیں شیطانوں کا نشیمن ہوتی ہیں، لیکن آج کی بیگم صاحبہ کا برتاؤ، اور سلطانہ کی عنایت فراواں دیکھ کر وہ محسوس کر رہی تھی کہ شیطانوں کے نشیمن میں بھی کہیں کہیں انسان بستے ہیں، اسے شیطانوں سے نفرت تھی، انسانوں سے نہیں، اس نے باپ سے کہا،

"لیکن وہ بیگم صاحبہ تو بڑی اچھی اور نیک ہیں، بے جانے بوجھے انہوں نے مجھے دس روپے دیئے، میں ان سے وعدہ کر چکی ہوں بابا میں تو ضرور جاؤں گی وہاں!"

بابا جلال میں آ گئے، انہوں نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا،

"تیرے وعدے سے کیا ہوتا ہے، میں ہرگز نہیں جانے دوں گا... پاؤں توڑ دوں گا تیرے؟ اگر وہاں جانے کا نام لیا؟"

ان باتوں سے قمر کے پاؤں تو نہیں ٹوٹے، دل ٹوٹ گیا، اور وہ رونے لگی، اس کی سسکیاں سنکر اندھے باپ کا دل پسیجا، اس نے کہا،

پیشگی بھی دیدیئے، وہیں نوکری کرنے کو کہتی ہے"

"تو کیا حرج ہے اس میں!"

"حرج تو کچھ نہیں ہے اصغر بھائی، لیکن بات یہ ہے کہ شریف گھرانوں میں غریبوں کی عزت کا سلامت رہنا دشوار ہو جاتا ہے، اسی لئے دل دھڑکتا ہے"

"نہیں امدو بھائی یہ نہ کہو،

خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد!

دنیا میں سب ہی لوگ برے نہیں ہوتے، اور واقعی وہ بی بی نیک اور شریف ہی ہوں گی، جنہوں نے بغیر جانے بوجھے دس روپے اٹھا کر پیشگی دیدیئے، میری رائے تو ہے کہ تم جانے دو قمر کو، ——— ارے یار سوچو تو لڑکی سیانی ہونے کو آئی، اس عمر میں بھیک مانگنا بھی ٹھیک نہیں ہے، زمانہ بڑا خراب ہے، اگر کسی شریف گھرانے میں، ٹک جائے گی، تو بہت سی مشکلیں آسان ہو جائیں گی، میں جانتا ہوں تم کتنے شریف ہو، تمہاری لڑکی کو جب بھیک مانگتے دیکھتا ہوں، تو اندر سے کلیجہ ہلنے لگتا ہے کوئی، لیکن کیا کروں مجبور ہوں، دیکھتا ہوں سب کچھ!"

اصغر کی تقریر ابھی جاری تھی کہ امدو نے بیچ میں مداخلت کی،

"تو تمہاری رائے ہے"؟

"ہاں بھئی میری رائے تو ہے!"

"رائے تو میری بھی خلاف نہیں ہے، لیکن ڈرتا ہوں، کہیں اونچ نیچ نہ ہو جائے!"

"نہیں انشاء اللہ ایسا نہیں ہو سکتا، قمر، تمہاری لڑکی ہے، وہ

یہ کہہ کر وہ پھر رونے لگی، ان دلیلوں کا اندھے پر کافی اثر ہوا، اور وہ بہت نرم پڑ گیا، اس نے کہا،

"اچھا ذرا مجھے سوچ تو لینے دے!"

"سوچ لو، رات بھر، میں تو صبح ہوتے ہی ضرور جاؤں گی!"

اسی اثنا میں اصغر آ گیا، یہ بڑا اچھا باورچی تھا، اور کسی رئیس کے ہاں ملازم تھا، اندھے سے اس کی بڑی گہری دوستی تھی، کبھی کبھی اپنے آقا کے ہاں سے بچا کھچا کھانا لا کر اندھے کو بھی دیا کرتا تھا، آج بھی وہ اپنے ساتھ ٹفن کیریر میں رکھ کر اپنے دوست کے لئے، پلاؤ، زردہ قورمہ، اور شامی کباب، کافی مقدار میں لایا تھا، اس نے یہاں آ کر دیکھا کہ قمر رو رہی ہے، اور اندھا فکر مند ہے، وہ بولا،

"امدو بھائی، کیا بات ہے؟ تم کیا سوچ رہے ہو؟ قمر کیوں رو رہی ہے؟"

قمر نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھ لئے،

امدو نے کہا،

"پوچھ لو اسی سے"

اصغر بولا

"تم بتا دو گے تو کیا ہو جائے گا"؟

"یہ کہتی ہے، اب بھیک مانگتے ہوئے مجھے لاج آتی ہے، آج بیگم صاحبہ سے بازار میں مل گئی تھیں، یہ ان پر بری طرح ریجھ گئی وہ بھی بڑی مہربان معلوم ہوتی ہیں، بغیر جان پہچان کے دس رو

"یہیں اور کہاں ؟ دن بھر کام کروں گی، شام کو اپنا کھانا لیکر آجایا کروں گی، رات کو میں اپنے بابا کو چھوڑ کر کہیں اور رہ سکتی ہوں بھلا ! ان کی دیکھ بھال کون کرے گا ؟"

امدو نے کہا،

"ہاں بیٹی یہ کل ہی طے کر لینا !"

جانتی ہے، کہ باپ کی عزت کیا ہوتی ہے؟ اور کس طرح بچائی جاتی ہے!"

"اچھا بھائی، تم کہتے ہو تو میں بھی راضی ہوا جاتا ہوں!"

"ہاں اور کیا!"

پھر اصغر نے بڑی شفقت کے ساتھ قمر سے کہا،

"اب تو خوش ہوئیں بیٹی؟ اب تمہیں بھیک مانگنے سے چھٹی مل گئی جاؤ کرو جا کے نوکری ٹھاٹھ سے، دیکھو امدو بھائی کو بھی میں نے راضی کر لیا، تمہیں مٹھائی کھلانا پڑے گی مجھے ——— ارے تو تو جب کھلائے گی، کھلائے گی، پہلے میں تیرا منہ میٹھا کر دوں، دیکھ کتے مزے کا زردہ پکا کر لایا ہوں تیرے لئے!"

یہ کہہ کر اصغر نے ٹفن کیریر، قمر کی طرف بڑھا دیا، قمر نے دوسرے کمرے میں جا کر برتن خالی کئے، انہیں جلدی جلدی دھویا، اور لا کر، اصغر کے سامنے رکھ دیا،

تھوڑی دیر کے بعد اصغر چلا گیا، اس کے جانے کے بعد، امدو اور قمر کھانے کیلئے بیٹھے، روز تو قمر بازار سے واپس آ کر ہانڈی چولھے میں لگتی تھی، آج اسے آنے میں اتنی دیر ہو گئی تھی، اور اب وہ اتنی تھک چکی تھی کہ کھانا پکانے کے خیال سے اسے ہول ہو رہی تھی، اصغر چچا نے ——— وہ اصغر کو چچا کہا کرتی تھی، ——— یہ مشکل بھی آسان کر دی، اور وہ بڑے اطمینان سے باپ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے لگی،

کھانے کے دوران میں، امدو نے کہا،

"لیکن بیٹی، رات کو تو کہاں رہے گی!"

پہلے کیوں نہ بتایا"؟

"میں کیا جانتی تھی چچا!"

ان لوگوں کی باتیں سنکر خان بہادر صاحب نے اخبار الگ رکھ کر اصغر سے پوچھا،

"کون ہے یہ"؟

"بڑی سلیقہ مند، نیک اور شائستہ لڑکی ہے حضور، اس سے اچھی خانہ شاید ڈھونڈھے سے بھی نہ ملے!"

"کون ہے یہ؟"

"میرے ایک اندھے اور اپاہج دوست کی لڑکی ہے سرکار!"

"لیکن یہ یہاں کیسے آگئی؟"

"بیگم صاحبہ نے اسے ملازم رکھ لیا ہے حضور!"

"تیرا نام قمر ہے!"

قمر نے ادب سے گردن جھکا کر کہا،

"جی"!

"کل شام کو بیگم نے تجھی سے نوکری کی بات چیت کی تھی؟"

قمر نے پھر اسی طرح گردن جھکائے جھکائے جواب دیا،

"جی"!

اتنے میں ایک خادمہ خاصدان میں گلوریاں لیکر حاضر ہوئی، خاصدان سامنے رکھ کر جب وہ واپس جانے لگی تو خان بہادر صاحب نے کہا،

"اس لڑکی کو بیگم کے پاس لے جاؤ، سلطانہ کے لئے بیگم نے اسے

باب ۳

نیا گھر!

صبح اٹھ کر قمر نے جلدی سے باپ کو ناشتہ کرایا، اور پھر نخاس کی طرف چل کھڑی ہوئی، وہ ایک ایک مکان دیکھتی ہوئی، اور اس کا بورڈ پڑھتی ہوئی "پیلی کوٹھی" کے سامنے جا کر رک گئی، دروازہ پر "خان بہادر امجد حسین" کے نام کا بورڈ لگا ہوا تھا، یہ بڑی شاندار کوٹھی تھی، اس کے اندر جاتے ہوئے اس کے پاؤں ڈگمگائے، لیکن ہمت کر کے وہ داخل ہی ہو گئی، ایک وسیع اور سرسبز لان کو طے کرتی ہوئی، وہ کوٹھی کے برآمدہ میں پہونچی، وہاں ایک آرام کرسی پر، ایک خوش رو اور بارعب شخص دراز تھا، حقہ کی نہال منہ سے لگی تھی، ناک سے دھویں کے کچھ نکل رہے تھے، ہاتھ میں کوئی اخبار تھا، وہ سوچنے لگی انہیں مخاطب کس طرح کروں، وہ اسی فکر میں کھڑی تھی، کہ سامنے سے اصغر آتا دکھائی دیا، دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر متعجب ہوئے اصغر نے کہا،

"بیٹی تو یہاں؟"

"جی یہیں تو نوکر ہوئی ہوں میں!"

"اچھا ——— میں بھی تو یہیں کام کرتا ہوں، تو نے مجھے

"آگئی تو؟"

"جی حاضر ہوگئی میں!"

"شاباش ——— اری نصیبن!"

وہی ملازمہ پھر آکر سامنے کھڑی ہوگئی، بیگم صاحبہ نے کہا،

"سنتی ہے، یہ نئی لڑکی قمر، میں نے سلطانہ کے لئے رکھی ہے!"

"جی بیگم صاحب!"

"وہ پلی طرف کی کوٹھری خالی کردے، اسی میں یہ رہا کریگی"

"بہت اچھا!"

وہ چلی گئی، اور بیگم صاحبہ نے قمر سے کہا،

"اب تم آرام سے رہو، کوئی تکلیف ہو تو ہم سے کہنا، تمہارا کام صرف یہ ہے کہ سلطانہ کی خدمت میں حاضر رہو!"

قمر ادب سے سر جھکائے، یہ باتیں سنتی رہی،

تھوڑی دیر کے بعد عید کی گھما گھمی شروع ہوگئی، بیگم صاحبہ اور سلطانہ نہانے دھونے میں مصروف ہوگئیں، گھر کی دوسری خادمائیں بھی نہا دھو کر اجلے کپڑے پہنکر کام پر حاضر ہوگئیں، سلطانہ نے دیکھا قمر انہی میلے کپڑوں میں کام کر رہی ہے، اس نے حیرت کے ساتھ کہا،

"تم نے کپڑے نہیں بدلے!"

قمر خاموش ہوگئی، جواب کیا دیتی؟ سلطانہ نے سب کچھ سمجھ لیا اور فوراً، اپنا ایک جوڑا نکال کر اسے دیا اور کہا،

"جاؤ تم بھی نہاؤ دھوؤ اور یہ کپڑے پہن لو!"

ملازم رکھا ہے!"

ملازمہ کے چہرہ پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے، اور وہ،

"چلو"!

کہہ کر قمر کو اپنے ساتھ لے گئی، جب ذرا آگے نکل گئی، تو اس نے منہ بگاڑ کر کہا،

"یا میرے اللہ، اس گھر میں تو نوکروں کا تانتا لگا ہے، جب دیکھو جب ایک نیا نوکر چلا آرہا ہے!"

قمر نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا، ملازمہ جل گئی، اس نے بگڑے ہوئے تیوروں سے کہا،

"اے توبہ! خدا کی سنوار، تم تو ایسے رساں رساں چل رہی ہو جیسے نئی نویلی دلہن ——— اس ٹھسّے پر چلی ہیں نوکری کرنے ——— ہُنہ!"

قمر نے رفتار تیز کر دی، لیکن اب بھی کچھ نہ بولی،

قمر زنان خانہ میں داخل ہوئی تو اسے دیکھتے ہی سلطانہ خوش ہو کر چلائی،

"اماں قمر آگئی"!

عائشہ بیگم دالان میں ایک مرصع تخت پر، پائدان کے سامنے بیٹھی تھیں، قمر ان کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی، اور ادب سے جھک کر اس نے سلام کیا،

عائشہ بیگم بولیں،

"کبھی آتا تھا، اب تو خدا بھی ہم جیسے بندوں کے کام نہیں آتا"!
"چھی چھی کفر بکنے لگے، توبہ کرو توبہ ایسی باتیں کرو گے، تو سیدھے جہنم میں جاؤ گے ہاں!"
"جہنم کی فکر تو وہ کریں، جنہیں جنت کے چھن جانے کا کھٹکا ہو لیکن جو جہنم میں رہ رہے ہوں، انہیں کیا ڈراتے ہو بھائی؟
یہ باتیں ہو رہی تھیں، کہ قمر لدی پھندی آ گئی، اسے دیکھ کر اصغر نے کہا،
"تو آ گئی بٹیا!"
"ہاں چچا"
"تیرا باپ تیری راہ تک رہا ہے ——— نوکری ٹھیک ملی ہے نا تجھے؟"
"آپ کی دعا سے ٹھیک ہی ملی ہے نوکری!"
پھر اصغر چلا گیا، اس کے جانے کے بعد، امدو نے کہا،
"میں کب سے تیری راہ تک رہا ہوں بٹیا"
قمر باپ کو تسلی دیتے ہوئے بولی،
"میں آ تو گئی بابا ——— دیکھو تو میں تمہارے لئے کیا کیا لائی ہوں"؟
وہ پیار سے بولا،
"کیا کیا لائی ہے میری بٹیا؟"
قمر نے کئی چیزیں، اپنے اندھے باپ کے سامنے بکھیر دیں، اور

قمر نے ممنون نگاہوں سے سلطانہ کو دیکھ کر حکم کی تعمیل کی، جب وہ نہا دھو کر آئی، تو ایسا معلوم ہوا جیسے چاند گہن سے نکل آیا، اب اس کے حسن و جمال کا رنگ ہی اور تھا، جو دیکھتا تھا، دیکھ کر حیران رہ جاتا عائشہ بیگم اور سلطانہ نے دس دس روپے انعام کے دیئے، بڑے صاحب یعنی خان بہادر صاحب نے بھی بیگم کے اشارے اور سلطانہ کی نگاہ کو سمجھ کر ۲۵ روپے عطا فرمائے،

اصغر کوٹھی کے کام سے فارغ ہو کر سیدھا امدو کے پاس پہنچا شام ہو چکی تھی، اور وہ اپنی اندھیری جھونپڑی میں بیٹھا ہوا قمر کا انتظار کر رہا تھا، اصغر نے ماچس سے دیا جلایا، اور ترنگ میں آکر کہا،

"خوش قسمت ہو، بڑے ہی خوش قسمت ہو امدو بھائی، دیکھو تو کتنے اچھے گھر میں قمر کو نوکری ملی ہے، سچ کہتا ہوں، وہاں آدمی نہیں بستے فرشتے بستے ہیں فرشتے ——— میں بھی وہیں ملازم ہوں قمر کو وہاں دیکھ کر پہلے تو مجھے حیرت ہوئی، پھر خوشی ہوئی، کہ واقعی قسمت والی ہے، کہ ایسا اچھا گھر مل گیا اسے ——— وہ جب پہونچی تو جھجک رہی تھی، اندر جاتے، اتے میں میں پہونچ گیا، میں نے اسے خان بہادر صاحب سے ملا دیا، اور وہ فوراً اندر بھیج دی گئی!"

امدو نے ایک تاثر کے عالم کہا،

"تم نے بڑا احسان کیا ہم دکھیاروں پر!"

کانٹوں میں نہ گھسیٹو امدو بھائی، یہ بھی کوئی احسان ہے! آدمی ہی آدمی کے کام آتا ہے!"

خوش خوش بولی،

"یہ دیکھو، یہ جوڑا ——— یہ جوتا ——— یہ ٹوپی ——— یہ واسکٹ ——— یہ اچکن ———"

امدو نے ان چیزوں کو ٹٹولتے ہوئے کہا،

"بہت خوبصورت، بڑی اچھی، کہاں سے لائی ہے تو یہ چیزیں!"

"بیگم صاحبہ نے دی ہیں، بہت مہربان ہیں مجھ پر، وہ بھی اور خان بہادر صاحب بھی!"

"کون ہیں یہ اتنے بھلے اور نیک لوگ کیا نام ہے ان کا؟"

"خان بہادر امجد حسین، چمڑے کی تجارت کرتے ہیں، وہ نخاس میں پیلی کوٹھی ہے نا وہ انہی کی تو ہے!"

امدو نے تعجب کے ساتھ کہا،

"پیلی کوٹھی ——— نخاس ——— چمڑے کی تجارت کرتے ہیں ——— امجد حسین ——— خان بہادر!"

"ہاں ہاں وہی ——— تم انہیں جانتے ہو بابا؟"

"ہاں ——— خوب جانتا ہوں، اچھی طرح پہچانتا ہوں ——— وہ امیر ہیں، ہم غریب ——— غریبی امیری کے گھر میں نہیں سکتی، تو وہاں کیسے سما سکے گی بیٹی؟ ہرے بھرے چمن میں دہکتا ہوا، انگارہ نہیں رہ سکتا!"

"یہ کیسی باتیں کر رہے ہو تم ——— کیا ہو گیا ہے تمہیں"

"کچھ نہیں، کچھ نہیں بیٹی ——— اصغر بھی ان کی بڑ

تعریف کر رہا تھا، تو بھی ان کے گن گاتی ہے، لیکن میں سوچتا ہوں، تو دل دھڑکنے لگتا ہے!"

"کیوں؟ آخر کیوں؟"

"یہی سوچتا ہوں کہ جن کے پاس دولت ہوتی ہے، ان کے پاس دل نہیں ہوتا، اور جن کے پاس دل نہیں ہوتا وہ آدمی نہیں ہوتے ——
—— میں سوچتا ہوں، تو ایسے گھر میں کس طرح نباہ کر سکے گی؟ تیری غریبی وہاں کہیں تجھے اور ذلیل نہ کردے،"

"ایسا نہیں ہو سکتا، وہ بڑے اچھے لوگ ہیں، دل والے لوگ ہیں، وہ غریبی سے نفرت نہیں کرتے قدر کرتے ہیں، اسکی، وہ غریبوں کو ٹھکراتے نہیں، کلیجہ سے لگاتے ہیں، انہیں کچھ نہ کہو بابا!"

"اچھا بیٹی، میں اپنی زبان بند کرلوں گا، اب کچھ نہ کہوں گا، تجھے موقعہ دوں گا، کہ تو خود تجربہ کرلے، تجربہ واقعی بڑی چیز ہے!"

"یہ اتنی ساری چیزیں میں تمہارے لئے لائی ہوں، انہیں تو پہنو!"

"بیٹے، اتنی اچھی چیزیں گھر میں پہن کر کیوں خراب کروں انہیں سینت کر احتیاط سے رکھ دے، جب تیرا بیاہ ہوگا، اس دن میں یہ کپڑے پہنوں گا!"

قمر شرما گئی، اس نے آہستہ سے کہا،

"اونہ"

اور، سب چیزیں لیجاکر، احتیاط سے دوسرے کمرہ میں رکھدیں،

اتنے میں سلطانہ آئی، اور ماں کے پاس بیٹھ گئی، اس نے خان بہادر سے کہا،

"ابا جان، ابا جان!"

"ہاں بیٹی!"

"یہ دیکھیے میرا سوئٹر"

خان بہادر نے اسے اپنی انگلیوں سے ٹٹولا، اس کی بناوٹ دیکھی، بہت خوش ہوئے فرمایا،

"بڑا اچھا، بہت خوبصورت، تم نے خود بُنا ہے، اسے؟——

——اب تو ہماری سلطانہ بڑی ہنرمند ہو گئی ہے!"

عائشہ بیگم نے ذرا انقباض کے ساتھ کہا،

"یہ کیا بُنے گی ایسا اچھا سوئٹر اسے کتابیں پڑھنے سے کہاں فرصت"

"پڑھنا لکھنا کوئی عیب تو نہیں ہے، بیگم تم تو جلتی ہو ہماری سلطانہ سے!"

بیگم صاحبہ ذرا بگڑ کر بولیں،

"اے ہٹو بھی، جلوں گی بھی کس سے اپنی بیٹی سے"!

خان بہادر صاحب مسکرائے، انہوں نے شرارت بھرے لہجہ میں کہا،

"بات یہ ہے، کہ بہو کے آنے میں ابھی دیر ہے، لہذا، جب تک وہ نہ آئے سلطانہ سہی!"

"بھاڑ میں جائے جلنا، میں کیوں جلنے لگی اپنے بہو سے، اسے

باب ۴

انعام

قمر، خان بہادر صاحب کے لکھنے پڑھنے کا کمرہ! صاف کر رہی تھی پہلے اس نے میز صاف کی، پھر کرسیاں ترتیب سے رکھیں، پھر دروازوں کو صافی سے پونچھا، پھر اس نے دیواروں پر لگی ہوئی تصویروں کو گرد وغبار سے صاف کیا، وہ یہ کام کرتی جاتی تھی، اور آہستہ آہستہ گنگناتی جاتی تھی، اتنے میں خان بہادر صاحب، بیگم صاحبہ سے باتیں کرتے ہوئے کمرہ میں داخل ہوئے، قمر نے بڑھ کر بڑے ادب سے ان کی چھڑی لے لی، اور اچکن بھی، اس نے، چھڑی کونہ میں رکھدی، اور اچکن کھونٹی پر ٹانگ دی، پھر وہ میاں بیوی کو باتیں کرتا چھوڑ کر کمرہ سے باہر نکل گئی،

اس کے جانے کے بعد عائشہ بیگم نے کہا،

"بڑی نیک اور محنتی لڑکی ہے"!

"واقعی بڑی نیک ہے"

"اس سے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی، خود ہی سارے کام کرلیتی ہے!"

قمر کو بلایا، وہ سامنے آکر کھڑی ہوگئی
سلطانہ نے کہا،
"تم نے آج انعام کے قابل کام کیا ہے؟"
وہ بدستور خاموش کھڑی رہی،
سلطانہ پھر بولی،
"ابا جان نے بھی تمہارے کام کو بہت پسند کیا ہے"
قمر نے اب بھی کچھ نہ کہا، سلطانہ نے کہا،
"تم انعام مانگو ہم دیں گے!"
قمر بولی،
"سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ آپ کو، اور سرکار کو میرا کام پسند آیا،"
سلطانہ نے ایک شان کے ساتھ کہا،
"نہیں یہ کافی نہیں ہے ——— لو یہ انعام!"
یہ کہہ کر سلطانہ نے دس دس روپیہ کے تین نوٹ: قمر کی طرف بڑھائے، لیکن اس نے انہیں لینے کے لئے ہاتھ نہیں پھیلایا، خاموش کھڑی رہی، سلطانہ نے ایک جھٹکے کے ساتھ نوٹ پھر بڑھائے اور کہا،
"لو!"
قمر مسکرائی اور ایک جاں نواز ادا کے ساتھ گویا ہوئی،
"جی، روپے تو میں نہیں لوں گی ——— انعام میں نے لیا، لیکن قیمت نہیں لے سکتی!"

میں کہتی ہوں، تمہیں ہو کیا گیا ہے، ؟"

"کچھ نہیں، آج ذرا، مروت کو بالائے طاق رکھ کر، سچ بولنے کا جی چاہ رہا ہے، !"

"بڑے سچے !"

خان بہادر صاحب مسکرانے لگے، بیگم پھر اپنے اصل موضوع، یعنی سلطانہ پر آگئیں، فرمایا،

"میں کہتی ہوں گھر کی لڑکیوں کو سینے پرونے کی عادت بھی تو ڈالنی چاہیئے ——— قمر کتنی غریب لڑکی ہے، لیکن اس کی ہنرمندی دیکھو، چند گھنٹے کے اندر اتنا اچھا سوئٹر بُن کے ڈال دیا سامنے، یہ گن ہوتے ہیں لڑکیوں کے، نہیں تو ان کی طرح، جب دیکھو جب صاحب بہادر بنی کرسی پر بیٹھی ہیں، اور کتابیں پڑھی جا رہی ہیں ——— نوج ایسا شوق ہو کیکو !"

امجد میاں نے، بیگم کو جواب دینے کے بجائے، بیٹی سے پوچھا،

"تم نے کچھ انعام بھی دیا قمر کو ——— ؟ ایسے کام کے نوکر حوصلہ افزائی کے مستحق ہوتے ہیں !"

قمر نے بڑے بھولے پن کے ساتھ باپ کو جواب دیا،

"اسی لئے تو میں آئی تھی، آپ کے پاس ——— بتایئے کیا انعام دوں اسکو ؟"

"ایک مہینہ کی تنخواہ !"

سلطانہ فوراً کمرہ سے باہر چلی گئی، اور اپنے کمرہ میں جا کر، اس نے

ہر غریب روپے پر کتے کی طرح نہیں گرتا، یہ بالکل نیا تجربہ تھا، یہ بالکل نیا واقعہ تھا، مگر اس وقت اس کی آنکھوں کے سامنے نہیں تھی، اس کی نظروں سے اوجھل تھی، لیکن جو نقش اس کے دل پر بیٹھا کر گئی تھی، وہ ایسا پائدار تھا، جو کبھی نہیں مٹ سکتا تھا، جسے وہ کبھی فراموش نہیں کر سکتی تھی!

یہ کہہ کر وہ مسکراتی ہوئی، کمرہ سے باہر چلی گئی، نوٹ سلطانہ کے ہاتھ میں دھرے کے دھرے رہ گئے، قمر چلی گئی، لیکن سلطانہ کو سوچ میں ڈال گئی، وہ سوچ رہی تھی، یہ بھکارن اپنے پہلو میں کتنا خوددار اور شریف دل رکھتی ہے،

ابتک سلطانہ، قمر کی باتوں سے خوش تھی، اس کی دلچسپ باتوں کو وہ بہت پسند کرتی تھی، اس کی خوبصورتی سے خوش تھی، دنیا میں کون ہے، جو خوبصورتی کو پسند نہ کرتا ہو، لیکن آج، اس کے سامنے قمر کے کردار کا ایک نیا رخ آیا تھا، اس نئے پہلو کو اس نے آج تک نہیں دیکھا آج اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا، کہ قمر کا کردار، اس کے چہرے سے زیادہ خوبصورت ہے، اس کا دل اس کی باتوں سے زیادہ دلکش ہے،

سلطانہ امیر باپ کی عیش پسند بیٹی تھی، وہ غربت سے ناواقف تھی جو غریب اس کے سامنے آتے تھے، بھیک مانگتے ہوئے، خوشامدیں کرتے ہوئے، چاپلوسی کرتے ہوئے، وہ سمجھنے لگی تھی، کہ امیروں کا کام یہ ہے کہ غریبوں سے کام لیں، انہیں حقیر و ذلیل سمجھیں، انہیں ڈانٹتے ڈپٹے رہیں، تاکہ وہ ٹھیک رہیں، لیکن آج وہ محسوس کر رہی تھی، کہ غریبوں کے سینے میں بھی دل ہوتا ہے، غریب بھی شریف ہو سکتے ہیں، ان میں بھی خودداری اور عزت نفس کا جذبہ ہو سکتا ہے، غربت کا یہ دوسرا رخ آج اس نے دیکھا، اور بے حد متاثر ہوئی تھی وہ اس سے، ابتک وہ قمر پر رحم کرتی تھی، ترس کھاتی تھی اس پر، لیکن آج سے وہ اس کی وقعت کرنے لگی تھی، وہ محسوس کر رہی تھی، کہ غریب لالچی نہیں ہوتے

تھی، سوتے وقت کبھی سلطانہ اسے کوئی داستان سناتی، کبھی وہ سلطانہ کو کوئی کہانی سناتی،

ان لوگوں کی اسی مصروفیت کے عالم میں، خان بہادر صاحب ایک تار ہاتھ میں لئے ہوئے، تشریف لائے، اور بڑے پُرمسرت لہجہ میں عائشہ سے مخاطب ہوئے،

"اجی سنتی ہو کچھ؟"

وہ چھالیا کترتے کترتے رک گئیں اور گردن اٹھا کر بولیں۔

"کیا ہے؟"

"اختر کا تار آیا ہے!"

وہ بیتابی کے ساتھ بولیں،

"میں قربان خیریت سے تو ہے، کیا لکھا ہے تار میں؟"

اب سلطانہ نے بھی کتاب بند کر دی، اور بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"کب آ رہے ہیں بھیا؟"

خان بہادر صاحب سے بولے،

"کل صبح سات بجے کے میل سے پہونچ جائیگا انشاء اللہ"

سلطانہ نے جوش مسرت سے بے قابو ہو کر کہا،

"اہا! میرے بھیا نے بات میری مان لی، میں نے لکھ دیا تھا امتحان دیتے ہی سیدھے آجانا، کہیں ادھر ادھر کسی دوست کے ہاں شکار وکار کے لئے نہ چل دینا، نہیں تو میں خفا ہو جاؤں گی ——

باب ۵

آمنا سامنا

کمرہ میں بجلی کے قمقمے روشن تھے، کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی، آتشدان گرم تھا، عائشہ بیگم ایک رضائی اوڑھے، بیٹھی پاندان سامنے رکھے چھالیہ کتر رہی تھیں، سلطانہ خاموشی کے ساتھ ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی اطمینان سے کوئی کتاب پڑھ رہی تھی، قمر بھی کمرہ میں موجود تھی اور عائشہ بیگم کے اشارہ کی منتظر تھی، کہ انہیں کوئی کام ہو اور وہ فوراً اسے پورا کر دے، شروع شروع میں تو وہ پابندی کے ساتھ ہر روز شام ہوتے ہی اپنے گھر چلی جایا کرتی تھی، پھر وہ عائشہ اور سلطانہ سے اتنی گھل مل گئی، کہ کبھی کبھی رہ جانے لگی، اور اب اس کا یہ معمول ہو گیا تھا، کہ ہفتہ میں ایک آدھ روز اپنے باپ کے پاس رہتی تھی، باقی دن یہیں گذارتی تھی، اس گھر سے اسے محبت سی ہو گئی تھی امدو بھی اب کچھ دخل در معقولات نہیں کرتا تھا، اسے بھی اس گھر کی شرافت پر اعتماد ہو گیا تھا، وہ سمجھنے لگا تھا، قمر جیسی یہاں رہی ویسی وہاں، دونوں بھروسہ کے گھر ہیں، باپ کی اس رواداری سے قمر نے پورا فائدہ اٹھایا، اور اب وہ اکثر رات کو بھی یہیں رہ جایا کرتی

"تجھے تو بس باتیں بنانا آتی ہیں،"

"میری امی نہیں، ابتو مجھے نیند آرہی ہے"!

یہ کہہ کر وہ آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوگئی، باپ نے کہا، "ٹھیک تو کہتی ہے سلطانہ، یہ گیارہ بجے رات کو کمرہ صاف کرنے کا کون سا وقت ہے، —— جاؤ بٹیا سو رہو، صبح کر لینا ٹھیک ٹھاک"!

امجد میاں کی اس مداخلت نے بات ختم کر دی، تھوڑی دیر کے بعد سلطانہ اپنے کمرہ میں جاکر سو گئی، اور عائشہ بیگم اپنے کمرہ میں لحاف کے اندر دھنس گئیں،

لیکن قمر کو نیند نہیں آئی، اس نے سوچا بہن کا چہیتا، ماں کا دلارا باپ کا لاڈلا، امتحان سے فارغ ہو کر، علی گڈھ سے آرہا ہے، میرا فرض ہے، کہ میں اپنی مالکہ اور آقا زادی کو تکلیف نہ دوں، اور خود جو کچھہ ہو سکتا ہے کر ڈالوں، یہ سوچکر وہ رات کے بارہ بجے اس وقت جب سارا گھر نیند کے مزے لے رہا تھا، اپنے گرم گرم لحاف سے اٹھی، اور اختر کے کمرہ میں جو سلطانہ کے کمرہ سے ملحق تھا پہونچی، اور اپنا خود ساختہ فرض انجام دینا شروع کر دیا، برف کی طرح ٹھنڈا پانی، بالٹی میں بھر بھر کر لائی، تن تنہا سارے کمرہ کو دہو ڈالا، اور واقعی اسے آئینہ بنادیا، پھر اس نے فرش بچھایا، کرسیاں، میز، صوفے، قرینے سے رکھے پھر پلنگ صاف کیا، گدا بچھایا، بستر لگایا، تکئے رکھے، اس کی نظر تکئے کے سادہ غلاف پر پڑی، اس نے اسے ہاتھ میں لیکر دیکھا، پھر رکھدیا

آ گئے میرے بھیا آ گئے"،

عائشہ بیگم نے پھر چھالیا کترنے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، وہ بولیں،

"تو تو باپ ماں بھائی سب کو دھمکیاں دے دے کر اپنی بات منوایا کرتی ہے، تیرا کیا"!

وہ اٹھلا کر بولی،

"کیوں نہ منواؤں، میرے بھیا جو ہیں، ان کے بغیر گھر کتنا سونا لگتا ہے؟"

بیگم نے کہا،

"اب خیریت سے وہ سویرے آ رہا ہے، تو اس کا کمرہ تو قمر کو ساتھ لیکر ٹھیک ٹھاک کر دے۔"

"کر دوں گی جلدی کیا ہے، گاڑی کا وقت سات بجے کا ہے، لیکن نو سے پہلے تو آئے گی نہیں!"

بیگم بگڑ کر بولیں،

"واہ رہی لڑکی کیوں نہیں آئے گی؟ خدا کرے سات بجے کی آتی، ۶ ہی بجے آ جائے۔"!

خان بہادر صاحب ماں کی.... مامتا کے اس اضطراب پر مسکرا دئیے

سلطانہ نے کہا،

"آج کل گاڑیاں لیٹ آیا کرتی ہیں امی، ——— صبح اٹھتے ہی ہم اور قمر بھیا کا کمرہ آئینہ بنا دیں گے۔"

قمر نے بھولے پن کے ساتھ کہا،

"صبح کو گھر کے اور بہت سے کام کرنے تھے، میں نے سوچا یہ کمرہ رانوں رات ٹھیک کر دوں، تاکہ بھیا آئیں، تو انہیں اپنا کمرہ بالکل آراستہ ملے اور تکلیف نہ ہو، ——— پھر گاڑی کا کیا ٹھیک ہے، سات ہی بجے آجائے!"

ایک تاثر کے عالم میں، عائشہ بیگم بولیں،

"تو بڑی اچھی لڑکی ہے قمر، اتنا خیال تو سلطانہ کو بھی اپنے بھیا کا نہیں ہے جتنا تجھے ہے!"

اس نے گردن جھکائے جھکائے، آہستہ سے کہا،

"یہ نہ کہئے، وہ بہن ہیں، میں خادمہ ہوں!"

یہ کہہ کر وہ پھر اپنے کام میں لگ گئی، اور عائشہ بیگم نماز پڑھنے چلی گئیں، سلطانہ نے اٹھ کر یہ منظر دیکھا، تو وہ بھی بہت خوش ہوئی، اور باپ کو جا کر پکڑ لائی، کہ

"دیکھ لیجئے چل کر بھیا کا کمرہ!"

وہ آئے، تو انہوں نے بھی بہت پسندیدگی کا اظہار کیا، اتنے میں عائشہ بیگم آگئیں، انہوں نے سلطانہ سے کہا،

"دیکھ کام اس طرح ہوتا ہے"

وہ مسکراتی ہوئی بولی،

"دیکھ لیجئے کام یوں ہوتا ہے، جو میں نے کہا تھا وہ کر دکھایا ہے نہیں!"

پھر اٹھایا، اور رکھ دیا، پھر کچھ سوچا، اور اپنے کمرہ میں گئی، وہاں سے کاڑھنے کا سامان لائی، اور وہیں بیٹھ کر اس پر بیل بوٹے بنانے لگی، اگرچہ نے بارہ سے ایک، ایک سے دو، دو سے تین، چار، پانچ، بجا دیئے لیکن وہ اپنے کام میں منہمک رہی، اس کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے اور غلاف پر بیل بوٹے بنانے میں مصروف تھے، اسے خبر بھی نہیں ہوئی کہ ساری رات بیت گئی، اس محویت کے ساتھ وہ اپنے کام میں لگی ہوئی تھی،

عائشہ بیگم نماز فجر کے لئے سویرے تڑکے اٹھا کرتی تھیں، وہ حسب معمول اٹھیں، اختر کے کمرہ میں روشنی دیکھ کر، اندر داخل ہوئیں اور قمر کو محو کار دیکھ کر دنگ رہ گئیں، انہوں نے بے ساختگی کے ساتھ آواز دی،

"قمر"

اس نے چونک کر، اور کسی حد تک سہم کر بیگم کو دیکھا، اور اٹھ کر کھڑی ہوگئی، عائشہ بیگم اس کے قریب آئیں، انہوں نے کمرہ کی صفائی دیکھی، چیزوں کی ترتیب دیکھی، اور یہ دیکھا کہ وہ کس سلیقہ سے اختر کے تکیہ کا غلاف کاڑھ رہی ہے، یہ سب دیکھ کر وہ دنگ رہ گئیں، اور حیرت کے ساتھ بولیں،

"قمر تو رات بھر یہی کرتی رہی"؟

قمر نے کچھ جواب نہیں دیا، گردن جھکالی، عائشہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا،

"بیٹی تو رات بھر جاگتی رہی؟"

اختر نے متانت کے ساتھ کہا،

"میں تو سمجھا تھا سنگ مرمر کا کوئی مجسمہ کھڑا ہے، لیکن اب معلوم ہوا ان کے بھی آنکھیں ہیں زبان بھی ہے، یہ چلتی پھرتی بھی ہیں، بات چیت بھی ضرور کرتی ہوں گی، لیکن اس وقت چپ ہیں،

خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید!

یا شاید ڈرتی ہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے،"

سلطانہ کھلکھلا کر ہنس پڑی، قمر اور زیادہ شرما گئی، اس وقت واقعی وہ سنگ مرمر کا ایک دلفریب، اور نظر فروز مجسمہ معلوم ہو رہی تھی، عائشہ بیگم نے بڑے محبت بھرے لہجے میں کہا،

"شریر کہیں کا، بالکل ویسا کا ویسا ہے، ذرا بھی تو نہیں بدلا، چل ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے!"

یہ کہہ کر، عائشہ بیگم آگے بڑھ آگئیں، سلطانہ نے کہا،

"چلو بھیا ناشتہ کر لو!"

اختر بولا،

"بڑی بد اخلاق ہو تم!"

"کیا ہوا بھیا"؟

اختر نے پوری سنجیدگی کے ساتھ قمر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

"اسے آپ کو بھی تو دعوت دو!"

پھر وہ قمر کی طرف مخاطب ہوا،

"آیئے، تشریف لے چلئے۔ ماحضر تناول فرمایئے، چل کر!"

"اے چل ہٹ، دعا دے قمر کو، بیچاری نے رات بھر جاگ کر
سارا کام کر ڈالا، تو تو اب تک بستر پہ پڑی ہوئی اینڈ رہی تھی"،
ہنسنے لگی، اور قمر بھی مسکرا دی،

اتفاق سے آج گاڑی لیٹ نہیں ہوئی، اور وقت مقررہ پر
پہونچ گئی، اور اختر ٹھیک وقت پر، ایک خوبصورت سوٹ میں ملبوس
بانکپن اور خوب روئی کی تصویر بنا ہوا، پہونچ گیا، اس کے آتے ہی
گھر میں دھوم مچ گئی، وہ آیا، نوکروں، اور ماماؤں نے دعائیں دیں
ماں نے کلیجہ سے لگا لیا، بہن آئی، اور اس کے سینہ سے لگ کر کھڑی
ہوگئی، اس نے محبت سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا، اس مجمع ناز پرساں
میں قمر سب سے الگ خاموش کھڑی تھی، اختر کی نظر قمر پہ پڑی، اور
اٹک گئی، پھر اس نے ایک شوخ تبسم کے ساتھ قمر کی طرف دیکھتے ہوئے
سلطانہ سے کہا،

"آپ کی تعریف"؟

قمر نے شرما کر نظریں نیچی کرلیں، سلطانہ نے جواب دیا،

"پہلے یہ میری خادمہ تھی، اب سہیلی ہے ——— پچ بھیا
بڑی شریف اور نیک لڑکی ہے،

اختر نے پھر قمر پہ ایک نگاہ ڈالی اور کہا،

"بڑی غلط فہمی سے بچا لیا تم نے مجھے!"

سلطانہ نے حیرت کے ساتھ پوچھا،

"غلط فہمی؟ کیسی غلط فہمی بھیا"

باب ۶

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد

ابتک قمر، سلطانہ کی پیش خدمت تھی، اب اختر کی خدمت بھی اس کے سپرد ہوگئی تھی، وہ کام چور نہیں تھی، وہ ان کاموں کو بھی انجام دے ڈالتی تھی، جن کا اس کے فرائض میں شمار نہیں ہوتا تھا، اور جو اس کے خاص فرائض تھے، ان کے انجام دینے میں تو وہ اپنے آرام اور صحت کا بھی خیال نہیں کرتی تھی،

اختر جب سے آیا تھا، قمر کے پیچھے پڑ گیا تھا، وہ خواہ مخواہ اسے چھیڑا کرتا تھا، مذاق کیا کرتا تھا، فقرے سر کیا کرتا تھا، بنایا کرتا تھا لیکن وہ ان باتوں کا جواب صرف خاموشی سے دیتی تھی، اس کے نزدیک یہی بہترین جواب تھا، ایک عجیب بات یہ تھی، کہ وہ اس کی باتوں کا برا نہیں مانتی تھی، ظاہری طور پر اس کی پیشانی شکن آلود ہو جائے اس کی بھوریاں چڑھ جائیں، اس کی خاموشی برہمی کی غمازی کرے، یہ دوسری بات تھی، مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ اس کی باتوں کا ذرا بھی برا نہیں مانتی تھی، بلکہ دل ہی دل میں لطف لیتی تھی، اس کے لطیف فقروں پر وہ دل ہی دل میں ٹھٹھے مار مار کر ہنستی تھی، اس کی شوخ، اور شریر حرکتوں

وہ اور زیادہ لجا گئی، جیسے چھوئی موئی کا درخت، سلطانہ نے کہا،
"بھیّا قمر کو نہ چھیڑو، وہ رو دے گی پھر!"
اختر نے کہا،
"ان کا نام قمر ہے؟"
"ہاں قمر!"
"پھر تو واقعی یہ اسم با مسمّیٰ ہیں، جیسا نام ویسی صورت!"
"اوخھ بھیّا چلو بھی!"
یہ کہہ کر وہ اختر کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھسیٹتی ہوئی لے گئی، قمر بدستور سنگ مرمر کے ایک مجسّمہ کی طرح خاموش اور باوقار، انداز میں کھڑی ہوئی تھی، اس موقعہ پر نصیبن سے نہ رہا گیا، اس نے کہا،
"اے ہے، تر ہوئی جا رہی ہیں، بھیّا نے ذرا بات کیا کر لی، بھول میں نہ رہنا، پاؤں کی جوتی ——————"
قمر کوئی جواب دیئے بغیر، اپنی کوٹھری کی طرف چلی گئی،

واقعی اب وہ اختر کیلئے طائر بلند بام بنتی جارہی تھی، جس تک صیاد کا نہ ہاتھ پہونچ سکتا ہے نہ جال!

ایک روز قمر حسب معمول، اختر کا کمرہ صاف کر رہی تھی کہ وہ آیا، اور اس نے کہا،

"تم بہت کام کرتی ہو ——— تم اس قابل ہو کہ تمہیں انعام دیا جائے یہ لو"

یہ کہہ کر اس نے، پانچ پانچ روپے کے تین نوٹ اس کی طرف بڑھائے، لیکن اس غریب اور فاقہ مست چھوکری نے تیکھے انداز میں کہا،

"مجھے تنخواہ ملتی ہے، وہ لے لیتی ہوں، خدا کا شکر ہے میں بھیک نہیں لیتی!"

"تمر یہ بھیک نہیں، انعام ہے، بخشش ہے!"

وہ پورے استغنا کے ساتھ بولی،

"شکریہ، لیکن اپنے کام کی پوری اجرت لینے کے بعد، مجھے زیب نہیں دیتا کہ میں بخشش لوں"

یہ کہہ کر وہ بے رخی کے ساتھ جانے لگی، اختر منہ دیکھتا رہ گیا، اسے اپنی ناکامی پر غصہ نہیں تھا، اس مغرور چھوکری پر حیرت تھی ابتک وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ غریب بڑے سستے بکتے ہیں، بلکہ بعض وقت قیمت بھی نہیں لیتے، محض وعدۂ فردا پر، صرف مستقبل کی امید پر بک جاتے ہیں، ان میں لچک ہوتی ہے، اکڑ نہیں ہوتی، لیکن قمر کے استغنا

سے اس کے دل میں نفرت کا طوفان نہیں اٹھتا تھا، بلکہ ایک قسم کی ہلچل مچ جاتی تھی، اور اس ہلچل میں بھی ایک عجیب قسم کا لطف محسوس ہوتا تھا وہ تنہائی میں اکثر اپنے مزاج کے اس فرق کو سوچا کرتی تھی، لیکن کوئی خاص توجیہ اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی، اسے یاد تھا، کہ ——— گلی کے موالی، اور غنڈے جب اس پر فقرے کستے تھے، تو اس کے دل میں نفرت اور غصہ کی آگ بھڑکنے لگتی تھی، اسی قسم کی باتیں ——— کسی حد تک مہذب اور شائستہ انداز میں سہی ——— اختر کرتا تھا تو دل میں اور اس کی جگہ ہو جاتی تھی۔ یہ کیا ماجرا ہے، وہ سوچتی تھی، لیکن کسی نتیجہ پر نہیں پہونچ پاتی تھی، وہ اختر کو منہ نہیں لگاتی تھی، اتنی احتیاط کرتی تھی، کہ اس کے سامنے مسکراتی تک نہیں تھی، سیدھے منہ اس کی باتوں کا جواب بھی نہیں دیتی تھی، زیادہ سے زیادہ اس کی ہمت شکنی کرتی تھی، لیکن بایں ہمہ اپنے دل میں وہ التفات اور تعلق خاطر کا ایک عجیب جذبہ محسوس کرتی تھی،

خود اختر کا یہ حال تھا کہ اس نے قمر کو ایک دلچسپ کھلونا سمجھ کر اس سے کھیلنا چاہا تھا، لیکن اب وہ ایک ناقابل فہم کتاب اس کے لئے بنتی جارہی تھی، وہ سمجھ رہا تھا، باتوں باتوں میں اس چھوکری کو پر چالوں گا، چٹکیوں میں اڑادوں گا، اس نادان لڑکی کو، لیکن وہ اتنی زیرک تھی، کہ نہ باتوں میں آتی تھی، نہ گھاتوں میں بلکہ زبان حال سے چیلنج دیتی تھی،

برد ایں دام بر مرغ دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

"آپ مصلحتہً، وقتی طور پر، اپنی حیثیت فراموش کر سکتے ہیں، لیکن میں نہیں کر سکتی!"

"تم نے یہ نہ سوچا کہ میں کسی سے اس بے تکلفی سے نہیں ملتا جس بے تکلفی سے تم سے ملتا ہوں، آخر اس کی کچھ وجہ تو ہو گی!"

قمر نے اکڑے ہوئے لہجہ میں پوچھا،

"بتائیے وجہ!"

اختر کا ارادہ تھا کہ، وجہ بتا دے، اور صاف صاف کہدے صرف وجہ یہ ہے کہ تم مجھے اچھی لگتی ہو، میں تمہارے اندر کشش سی محسوس کرتا ہوں، لیکن اس نے قمر کا تمتمایا ہوا چہرہ دیکھا، تو اس کا حوصلہ پست ہو گیا، اس نے کہا،

"بتا دوں گا کبھی اس وقت تم جاؤ"

وہ خاموشی کے ساتھ اپنی کوٹھری میں چلی آئی، اس کا دل کڑھ رہا تھا، کہ اس نے اختر سے کیوں اتنے نا ملائم لہجہ میں گفتگو کی، وہ سوچ رہی تھی، کیا کہتے ہوں گے، وہ اپنے دل میں کہ اس لڑکی کو بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں ہے، کتنے شریف ہیں، میری ان باتوں پر بھی خفا نہیں ہوئے کچھ مغموم سے ہو گئے ان کا اترا ہوا، چہرہ مجھ سے دیکھا نہیں جا رہا تھا، وہ تو کہو میں چلی آئی وہاں سے، ورنہ نہ جانے کیا حالت ہوتی میرے دل کی وہ میرے دل میں بسے جا رہے ہیں،

قمر کے جانے کے بعد، اختر خاموشی کے ساتھ بستر پر دراز ہو گیا، عائشہ بیگم کا ادھر سے گزر ہوا، انہوں نے خلاف وقت اختر کو لیٹے

اور وقار کو دیکھا، وہ اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہو گیا، وہ سوچنے لگا، یہ اکڑ بھی سکتے ہیں، یہ بگڑنے سے انکار بھی کر سکتے ہیں، یہ کتنی ان ہونی بات تھی لیکن آنکھوں کے سامنے تھی، اس سے انکار بھی تو ممکن نہیں تھا،

اختر نے ذرا تیزی کے ساتھ کہا،

"تم مجھ سے بدکتی کیوں ہو، بھڑکتی کیوں ہو؟"

وہ بولی،

"میرا آپ کا رشتہ کیا ہے؟ مجھے بدکنے اور بھڑکنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن آپ مجھ سے چھیڑ کیوں کیا کرتے ہیں"؟

"میں تو مذاق کرتا ہوں"

"مذاق کرنے کیلئے ایک میں ہی رہ گئی ہوں"!

"میں سب سے کرتا ہوں مذاق!"

"مجھے ان "سب" کی فہرست نکال دیجئے، نہ میں کسی سے مذاق کرتی ہوں، نہ یہ چاہتی ہوں کہ مجھ سے کوئی مذاق کرے!"

"تم تو خفا ہو گئیں!"

"خفا آپ ہو سکتے ہیں، میں نہیں، آپ آقا ہیں، میں ملازم ہوں"

"کیسی باتیں کر رہی ہو قمر، ان باتوں میں، آقا اور ملازم کا کیا سوال؟"

"ان "باتوں" سے آپ کا مطلب"!

"یعنی وہ باتیں جو قمر اور اختر میں ہوتی ہیں، دو انسانوں میں، دو آدمیوں میں!"

باب ۷

دلدل

دونوں کے دل کشمکش میں مبتلا تھے، دونوں ضدی تھے، اور اپنی بات رکھنے پر تلے ہوئے تھے، اختر نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس برخود غلط لڑکی کو میں اپنی طرف مائل کر کے رہوں گا، میرے دام سے آج تک کوئی نہ نکل سکا، عالی خاندان اور والا دودمان صاحبزادیاں، میرے پیچھے پیچھے گھوما کرتی ہیں، میں سیدھے منہ بات کر لوں تو وہ نہال ہو جاتی ہیں، پھر یہ غریبی کی گود میں پلی ہوئی چھوکری، مجھ سے بھڑک کر کہاں جا سکے گی، قمر کے استغنا نے یہ جذبہ پیدا کر دیا تھا، اختر کے دل میں، لیکن تحت الشعور میں اس کا دل محبت کا گنجینہ بنا ہوا تھا، وہ ابتک اس غلط فہمی میں تھا، کہ قمر سے محبت نہیں کرتا، اس سے کھیل رہا ہے، لیکن اب یہ غلط فہمی رفع ہوتی جا رہی تھی، اور اس کی آنکھیں کھلتی جا رہی تھیں، وہ محسوس کرنے لگا تھا، کہ وہ دلدل میں پھنس گیا ہے، جس سے نکلنے کی جتنی کوشش کی جاتی ہے آدمی اتنا ہی دھنستا چلا جاتا ہے، اور بالکل یہی کیفیت قمر کی تھی، وہ اختر کی چھیڑ چھاڑ کی مزاحمت کر رہی تھی، کچھ اس لئے کہ وہ ایک وفادار خادمہ کی حیثیت سے اس کی بدنامی نہیں

ہوئے جو دیکھا، تو بے چین ہوگئیں، انہوں نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کہا
"کیسی طبیعت ہے بیٹا؟"
"اچھا ہوں امی ذرا سر میں درد ہو رہا ہے!"
"لائیں دبا دوں!"
محبت کرنے والی ماں، اپنے لاڈلے بیٹے کا سر دابنے بیٹھ گئی اور
اختر کو کچھ ایسی لذت آئی کہ وہ خلاف وقت سو گیا،

اختر نے حیرت سے کہا،

"تم گانا نہیں جانتیں! ——— پھر میں ابھی کیا سن رہا تھا!"

"میں کیا جانوں؟"

"تم جھوٹ بھی بولتی ہو قمر؟ چھی چھی!"

"یہی سمجھ لیجئے!"

"تو گانا گانے سے انکار ہے تمہیں!"

"کہہ تو چکی!"

"اتنا ظلم تو نہ کرو!"

"پھر وہی باتیں شروع کر دیں آپنے؟"

"کیسے وہی باتیں نہ کروں، میں مجبور ہوں، تمہیں مجھ پر غصہ کرنے کی بجائے رحم کرنا چاہیئے!"

قمر خاموش رہی، اور اختر نے اس کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر ایک جذبہ کے عالم میں کہنا شروع کیا،

"میں تم سے محبت کرتا ہوں، تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، تم جتنا کھنچتی ہو، دل اتنا ہی تمہاری طرف مائل ہوتا ہے، تمہیں یہ روش چھوڑنی پڑے گی، تمہیں مجھ سے محبت کرنی پڑے گی، تمہیں میری محبت کا جواب محبت سے دینا پڑے گا!"

یہ باتیں سنکر، قمر کا دل ہل گیا، لیکن اس نے اپنے آپ پر قابو پاکر کہا،

"یہ کھیل آپ کسی اور سے کھیلئے، میں غریب ہوں، لیکن بے وقوف

پسند کرتی تھی، اور کچھ اس لئے کہ وہ دولت مندوں سے نفرت کرتی تھی اور ان کا کھلونا بننا نہیں چاہتی تھی، لیکن تحت الشعور میں اس کے بھی محبت ہی کارفرما تھی، یہی وجہ تھی کہ وہ بظاہر داد نہیں دیتی تھی، لیکن حقیقتہً اختر کی باتوں سے، اس کے لطیفوں سے، اس کی چھیڑ چھاڑ سے اس کے ہنسی مذاق سے، اس کی باتوں سے بے انتہا لطف لیتی تھی اور اب وہ اس کی قائل ہوتی جاتی تھی، کہ کچھ اور وجہ ہے کہ وہ کوشش کے باوجود اختر سے نفرت نہیں کر سکتی، بلکہ اس کی طرف کھنچتی جا رہی ہے وہ بھی ایسا محسوس کر رہی تھی کہ دلدل میں پھنس چکی ہے، جتنا ہمک ہمک کر ابھرنے کی کوشش کرتی ہے، اتنا ہی اس دلدل کے اندر غرق ہوتی جا رہی ہے، عورت اپنے جذبات پر زیادہ قابو رکھ سکتی ہے، مرد بھڑ بھڑیا ہوتا ہے، وہ اپنی ہر کیفیت چھپا لیتی ہے، اور یہ اپنے کسی جذبہ کو پوشیدہ نہیں رکھ پاتا،

ایک روز، قمر، اختر کی میز پر سلیقہ سے چیزیں رکھ رہی تھی اور ایک منوہر گیت گاتی جا رہی تھی، دفعتہً اختر آ گیا، اسے دیکھتے ہی وہ شرما کر خاموش ہو گئی، اختر نے کہا،

"تم چپ کیوں ہو گئیں؟ گاؤ"

وہ گم سم کھڑی تھی، اختر نے کہا،

"قمر تمہیں گانا پڑے گا!"

وہ سادگی اور رکھائی سے بولی،

"میں گانا نہیں جانتی!"

"کہیں نہیں ذرا ایک کام یاد آگیا، ابھی آتی ہوں!"
اختر نے ایک قہقہہ لگایا، قمر سہم گئی، اختر نے سلطانہ سے کہا،
"جی نہیں یہ بات نہیں ہے، انہیں کام وام کچھ نہیں ہے!"
سلطانہ نے کہا،
"پھر کیا بات ہے بھیّا؟"
وہ بولا،
"آب آمد تیمم برخاست!"
یہ کہہ کر پھر اس نے ایک فرمائشی قہقہہ لگایا، اور قمر خاموشی کے ساتھ کمرہ سے نکلی چلی گئی، سلطانہ نے کہا،
"بھیا تم بہت چھیڑتے ہو قمر کو!"
"برا لگتا ہے تجھے،"
"مجھے تو نہیں، لیکن اسے ضرور برا لگتا ہوگا بھیّا!"
"سلطانہ تو تو بے وقوف ہے اچھی خاصی، چھیڑ چھاڑ میں برا ماننے کی کیا بات ہے؟"

زندگی زندہ دلی کا نام ہے!
مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں؟"

سلطانہ مسکرا دی، اور اختر اپنے کمرہ میں پہونچ گیا، وہاں پہونچا تو اس نے دیکھا، قمر بڑی مستعدی، اور انہماک سے، اس کا کمرہ ٹھیک کر رہی ہے، اب وہ اس کمرہ میں اسی وقت آتی تھی، جب اختر غائب ہوتا تھا۔ وہ اس کا سامنا کرتے ہوئے، جھجکتی تھی، اور بہت کم ایسا ہوتا تھا

نہیں ہوں"

اختر کا جذبہ ٹھنڈا پڑ گیا، اس نے بڑی نرمی سے کہا،

"یہ ہے میری محبت کا جواب؟"

یہ کہہ کر وہ افسردگی کے عالم میں، باہر چلا گیا، اس کے جانے کے بعد، قمر کی آنکھیں بھر آئیں اور وہ بھی اپنے آنسو جلدی جلدی پونچھ کر، باہر نکل آئی،

اس واقعہ کے بعد، کئی روز تک دونوں میں بات چیت نہیں ہوئی اختر اسے دیکھتا تھا، اور خاموش رہتا تھا، وہ... اختر کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتی تھی، لیکن اس کی خدمت پوری سرگرمی اور مستعدی سے کئے جا رہی تھی،

چند روز کے بعد، اختر کی آنکھوں میں پھر شرارت ناچنے لگی ایسا معلوم ہوتا تھا، اس نے اپنے ذہن و دماغ کی قوت مجتمع کر کے پھر اس پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے؟ قمر اس ادا کو بھانپ گئی، اور وہ اور زیادہ الگ تھلگ رہنے لگی، وہ ڈرتی تھی اختر کی بے تکلفی، اور شوخ زبانی لوگوں کا موضوع گفتگو نہ بن جائے،

ایک روز وہ سلطانہ کی فرمائش پر ایک بڑا پیارا گیت اسے سنا رہی تھی، اور اختر دروازہ کی اوٹ میں کھڑا ہوا۔ بڑے مزے سے قمر کا گا سن رہا تھا، جب وہ گا چکی، تو وہ مسکراتا ہوا، کمرہ میں داخل ہوا، جیسے ہی اندر آیا، قمر اٹھ کر باہر جانے لگی، سلطانہ نے کہا،

"کہاں چلیں قمر؟"

"آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں؟ یہ جان کر میں کیا کروں گی؟ میں خود کیا ہوں؟ اسے اچھی طرح سمجھتی ہوں!"

"تم کچھ بھی نہیں سمجھتی ہو، غلط فہمی میں مبتلا ہو تم تو!"

وہ عاجز آکر بولی،

"اچھا یہی سہی!"

اختر خاموشی کے ساتھ کمرہ میں ٹہلنے لگا، اور قمر کے ہاتھ جلدی جلدی کام کرنے لگے، تاکہ جلد از جلد وہ یہاں سے بھاگ سکے، اس کا دل دھڑک رہا تھا، وہ ڈر رہی تھی، کہ یہ شخص پھر نہ معلوم کیا کہنے لگے، اسے نہ اپنے دل پر قابو ہے، نہ زبان پر، آخر جس بات کا دھڑکا تھا، وہی ہوئی، اختر ٹہلتے ٹہلتے قمر کے قریب آیا، اور بولا،

"جب تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں تو میرا اتنا خیال کیوں کرتی ہو؟"

وہ بولی

"نوکر جو ہوں!"

"لیکن کسی اور ملازم کو میرا اتنا خیال کیوں نہیں ہے"؟

"یہ اپنے "کسی اور ملازم" سے پوچھئے، میں کیا بتاؤں!"

"میں تو دیکھتا ہوں، میری ماں، اور بہن کو بھی میرے آرام اور آسائش کا اتنا خیال نہیں ہے، جتنا تم کرتی ہو، اسی لئے تو بزرگ کہہ گئے ہیں،

عشق اول در دل معشوق پیدا می شود!"

قمر نے بظاہر، اختر کی ان باتوں کا کوئی جواب تو نہیں دیا لیکن

کہ وہ اس کی موجودگی میں، وہاں پہونچے، لیکن آج دونوں میں کئی روز کے بعد پھر مڈبھیڑ ہوگئی، اختر نے قمر کو دیکھا، مسکرایا، اور کہا،

"اخاہ آپ یہاں تشریف رکھتی ہیں!"

قمر نے سنی کی ان سنی کردی اور خاموشی سے اپنے کام میں لگی رہی

اختر اس کے پاس آیا، اور بڑے ادب سے بولا،

"اگر جان کی امان پاؤں، تو کچھ عرض کروں!"

قمر نے جواب دیا،

"مجھے کام کرنے دیجئے!"

وہ پھر مسکرایا، اور کہا،

"عجیب بات ہے، میرے کام سے اتنی دلچسپی اور مجھ سے اتنی نفرت"

"نہ مجھے کسی سے دلچسپی ہے، نہ نفرت، میں اس گھر کی ملازمہ ہوں، اور یہاں کے کام مجھے کرنا ہی پڑتے ہیں!"

"تم اپنے آپ کو جو چاہو سمجھو، اور کہو، لیکن میں تو تمہیں ملازمہ نہیں سمجھتا!"

یہ بڑی نازک بات اختر نے کہدی تھی، قمر سہم گئی، کہ اگر کچھ پوچھتی ہوں، پھر آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں، تو نہ جانے کیا اوٹ پٹانگ بات یہ منچلا کہدے، اور اگر خاموش رہتی ہوں، تو نہ جانے کب تک یہ سلسلۂ کلام جاری رہے، وہ اسی حیص بیص میں تھی، کہ خود اختر نے کہا،

"تم جانتی ہو، میں تمہیں کیا سمجھتا ہوں"؟

قمر نے ایک ٹھنڈی سانس لیکر جواب دیا،

باب ۸

خواب شیریں

جب تک اختر نے قمر کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ نہیں شروع کیا تھا، وہ اکثر یہیں رہجاتی تھی، لیکن جب سے وہ اس کی، شوخ نظروں کا ہدف بننے لگی تھی، اس نے یہاں کا قیام یکسر ترک کر دیا تھا، اور سرِ شام ہی وہ اپنا کھانا لیکر، گھر چلی جایا کرتی تھی، اور رات وہیں گزارا کرتی تھی،

آج بھی، وہ کام کاج سے فارغ ہو کر شام ہوتے ہی گھر پہونچ گئی، باپ کو کھانا کھلانے کے بعد، کچھ دیر تک، وہ پڑوس میں اصغر چچا کی لڑکی زینب سے باتیں کرتی رہی، پھر آکر سو گئی،

سونے کے لئے لیٹی، تو اس کے کانوں میں، اختر کی آواز گونجنے لگی اور آج دن بھر میں جتنی بھی باتیں اختر نے کی تھیں، سب رہ رہ کے یاد آنے لگیں، نتیجہ یہ ہوا، کہ اس کی بے کلی بڑھ گئی، ایک خلش سی، ایک چبھن سی وہ اپنے دل میں محسوس کرنے لگی، بار بار اختر کے الفاظ اس کے کان میں گونج رہے تھے، "جب تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں، تو تم میرا اتنا خیال کیوں کرتی ہو" یہی سنتے سنتے وہ سو گئی، اس نے ایک خواب دیکھا، اس نے دیکھا، ایک پر بہار باغ ہے، وہ ایک روش پر محوِ خرام

دل ہی دل میں وہ کہہ رہی تھی، ہائے اللہ، انہوں نے سب کچھ تو کہہ دیا اب کہنے کو باقی کیا رہ گیا ہے، اتنی صاف صاف باتیں کہتے انہیں شرم نہیں آتی، لیکن میں تو زمین میں گڑی جا رہی ہوں، ان باتوں کا جواب یہی ہے کہ بس بھاگ چلو یہاں سے!

یہ سوچ کر، قمر نے، اپنا کام ختم کیا، اور باہر جانے کیلئے بڑھی، اختر دروازہ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا، اس نے کہا،

"میری باتوں کا جواب کچھ نہیں دو گی"؟

"آپ کی لاجواب باتوں کا میں جواب نہیں دے سکتی ——

—— ہٹیئے ذرا!"

اختر ہٹ آیا، اور قمر باہر نکل گئی، اور وہ سوچنے لگا، یہ چھوکری ذہین بھی ہے!

"ہاں، ہماری محبت پھل نہیں سکتی!"

"کیوں؟"

"میں بھکارن ہوں، آپ ان داتا!"

"تم میرے دل کی ملکہ ہو، میں تمہارا سرتاج"

"میں آپ کی لونڈی ہوں، آپ میرے مالک ——— لیکن میں آپ کو بدنام نہیں ہونے دوں گی، اپنی وجہ سے ہم چشموں میں آپ کو سبک نہیں ہونے دوں گی، لوگ یہی کہیں گے ایک ذلیل چھوکری کا دامن پکڑ کر، آپ نے خاندان کی ناک کٹا دی، ذلیل کر لیا اپنے آپ کو ——— نہیں نہیں میں یہ ہرگز نہ ہونے دوں گی، مجھے مرجانا منظور ہے، لیکن یہ منظور نہیں ہے!"

"تم میری وجہ سے، مجھ سے الگ رہتی ہو؟"

"جی"!

"لیکن تم یہ نہیں سوچتیں کہ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گا"

"خدا نہ کرے ——— آپ اپنے ماں باپ کے اکلوتے بیٹے ہیں، ان کی کتنی امیدیں آپ کی ذات سے وابستہ ہیں، انہوں نے آپ کی شادی خانہ آبادی کے نہ جانے کیسے کیسے نقشے بنائے ہوں گے، وہ جب یہ سنیں گے، کہ آپ ایک بھکارن سے محبت کرتے ہیں، ایک ذلیل چھوکری سے شادی کرنا چاہتے ہیں، تو انہیں صدمہ ہوگا، وہ خفا ہو جائیں گے، آپ سے، ان کی امیدیں، ٹوٹ جائیں گی، ان کا دل ٹوٹ جائے گا، خاندان بھر میں آپ نکو ہو جائیں گے، شہر بھر میں آپ کو

ہے، پھول چنتی جاتی ہے، اور گاتی جاتی ہے، اتنے میں اختر آگیا، وہ سامنے آکر کھڑا ہو گیا، اور ایک دلفریب تبسم کے ساتھ اس نے پوچھا،

"جب تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں تو میرا اتنا خیال کیوں کرتی ہو"

وہ بولی،

"ہٹ جایئے، جانے دیجئے مجھے"!

اختر بدستور، سامنے کھڑا رہا، اس نے پھر سوال کیا،

"بتاؤ میں کیا پوچھ رہا ہوں"

"کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ؟"

"تم مجھ سے محبت کرتی ہو یا نہیں؟"

اس نے شرم سے سر جھکا لیا، اور آہستہ سے کہا،

"کرتی ہوں!"

اس نے مسکرا کر پوچھا،

"کب سے؟"

وہ لجا کر بولی،

"جب سے آپ کو دیکھا ہے،"

"پھر مجھ سے الگ الگ کیوں رہتی ہو؟"

"بدنامی کے ڈر سے ——— آپ کی بدنامی کے ڈر سے!"

"اکھڑی اکھڑی باتیں کیوں کرتی ہو؟"

"تاکہ آپ میرا پیچھا چھوڑ دیں"

"مجھ سے محبت بھی کرتی ہو، اور پیچھا بھی چھڑانا چاہتی ہو یہ کیا؟

سامنے سر بلند دیکھنا چاہتی ہوں، سرنگوں نہیں!"

"قمر! مجھ پر رحم کرو!"

یہ کہتے کہتے اختر نے بے ساختگی کے ساتھ اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں میں اس کا ہاتھ لے لیا، وہ اپنا ہاتھ چھڑا نہ سکی، ــــــــــ

اتنے میں وہ آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ بیٹھی، پاس کی مسجد سے اذان کی آواز آ رہی تھی، اور امدو اس کے پاس کھڑا ہوا کہہ رہا تھا،

"نماز کا وقت ہو گیا بیٹا، کب تک سوتی رہے گی!"

اس نے اٹھ کر جلدی جلدی نماز پڑھی، باپ کو ناشتہ کرایا، اور پھر، خاموشی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی،

وہ حسب معمول سیدھی سلطانہ کے کمرہ میں پہونچی، وہاں عائشہ بیگم بھی موجود تھیں، اور اختر بھی، اختر کو دیکھ کر اس نے عافیت اسی میں سمجھی، کہ جلد از جلد کھسک جائے، لیکن اختر اس کے ارادہ کو بھانپ گیا، اس نے ماں سے کہا،

"امی، قمر میرا کام بالکل نہیں کرتی!"

"لے میرے سامنے تو جھوٹ نہ بول لڑکے وہ بیچاری، تیرے اور تیری بہن کے سوا کام کس کا کرتی ہے! دن بھر تو لگی رہتی ہے کام میں!"

سلطانہ نے کہا،

"بھیا تم بھی غضب کرتے ہو، جو کام کرتے کرتے مرا جاتا ہے اسے کام نہ کرنے کا الزام دیتے ہو ــــــــــ اچھا انصاف

دیکھ دیکھ کر انگلیاں اٹھائیں گے لوگ، میں یہ سب کس دل سے دیکھ سکوں گی، مجھ سے یہ ستم نہ دیکھا جائے گا!"

"میں خاندان کی پرواہ نہیں کرتا، شہر کی انگشت نمائی کا بھی مجھے خوف نہیں ہے، ماں باپ کو میں راضی کر لوں گا، تم ان باتوں کی پرواہ نہ کرو!"

"کیسے نہ کروں ضرور کروں گی!"

"آخر کیوں؟"

"یہ میرا فرض ہے"؟

"مجھے کڑھانے اور جلانا یہی فرض ہے تمہارا؟"

"جی نہیں، آپ کو ذلیل اور رسوا نہ ہونے دینا، یہ ہے میرا فرض"

"میں ذلت اور رسوائی سے نہیں ڈرتا"

"میں ڈرتی ہوں!"

"تم بزدل ہو!"

"یہی سہی!"

"تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں!"

"خدا جانتا ہے کرتی ہوں، دل سے کرتی ہوں"

"پھر ایسی باتیں کیوں کرتی ہو"؟

"اسی لئے تاکہ آپ کا اونچا سر کسی کے سامنے جھک نہ سکے!"

"لیکن جب میں ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتا، تو تم کیوں کرتی ہو"

"اس لئے کہ آپ سے سچی محبت کرتی ہوں، میں آپ کو دنیا کے

"معاف کر دیجئے، آئندہ ایسی غلطی نہ ہو گی!"

سلطانہ، عائشہ، قمر، سب ہی ——— اس شرارت پر ہنس پڑے!

ہے، تمہارا بھی!"

عائشہ بیگم پھر بولیں،

"اور تو جس کے متعلق کہے گا، میں مان لوں گی، لیکن قمر کے بارے میں تو کسی کی نہیں سن سکتی!"

"امی اس نے کچھ کر دیا ہے آپ پر، اور سلطانہ پر، جب ہی تو آپ دونوں گن گایا کرتے ہیں اس کے، ورنہ گھر کے اور لوگ تو اس کے بڑے مخالف ہیں!"

"اے ہے، کون ہیں، وہ اور لوگ تیرے، ذرا میں بھی تو سنوں"

سلطانہ نے ہمک کر کہا،

"ہاں بتاؤ بھیا کون ہیں وہ لوگ"؟

اختر نے سنجیدگی کے ساتھ کہا،

"مثلاً نصیبن!"

سلطانہ نے زور سے قہقہہ لگایا، اور کہا،

"بھیا تم نے گواہی پیش بھی کی تو کس کی، جس سے بڑھ کر کام چور اور حرام خور دنیا میں کوئی نہیں۔"

عائشہ بیگم نے ذرا خفگی کے ساتھ کہا،

"سن لے اختر، نہ تو قمر کو چھیڑا کر، نہ آئندہ اس کی کوئی شکایت کیجیو، ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا!"

یہ سن کر اختر قمر کے سامنے آکر، ہاتھ باندھ کے کھڑا ہو گیا اس نے کہا،

میں موجود رہتی تھی، قمر کا تو کام ہی یہی تھا، وہ سارا وقت اس کی خدمت میں بسر کرتی تھی،

تین روز کے بعد، اختر نے آنکھ کھولی، تب جو اس باختہ ماں باپ اور بیقرار بہن کی جان میں جان آئی، اختر کی بیماری کے زمانہ میں یوں تو سارے گھر نے اس کی تیمارداری کی، لیکن قمر نے واقعی کمال کر دیا، وہ سارا سارا دن، اور ساری ساری رات، اس کی خدمت اور دل جوئی میں لگی رہتی تھی، اسے اس کام کے آگے تن بدن کا ہوش نہیں رہ گیا تھا،

اختر نے اس کا یہ رنگ خدمت دیکھا تو بہت خوش ہوا، بیماری کے زمانہ میں وہ اس سے باتیں بھی کرنے لگی تھی، کبھی کبھی کسی بات پر مسکرا بھی دیتی تھی، اسے قصے کہانی بھی سنایا کرتی تھی، غرض جس طرح بھی اس کا دل بہل سکتا تھا، وہ بہلاتی تھی، اختر نے اس کی اس تبدیلی سے اندازہ لگایا، کہ اب چڑیا جال میں پھنس چکی ہے اب نہیں اڑ سکتی،

لیکن، صحت حاصل کرنے کے بعد، اس نے محسوس کیا کہ قمر کے بارے میں اس کی رائے غلط تھی، وہ ابتک طائر بلند بام ہے، جس تک صیاد کا نہ ہاتھ پہونچ سکتا ہے، نہ جال، وہ طائر زیر دام نہیں بن سکی تھی جو پھڑ پھڑاتا ہے، لیکن جال سے نکل نہیں پاتا،

اختر کے تندرست ہونے کے بعد، قمر کے عادات و اطوار میں پھر تبدیلی ہو گئی اور وہ پھر کھنچی کھنچی سی رہنے لگی، پھر اس کا تبسم رخصت ہو گیا پھر اس پر سنجیدگی طاری ہو گئی، پہلے وہ ہر وقت اس کے کمرہ میں موجود رہتی تھی، اب جھانکتی بھی نہیں تھی، آتی بھی تھی تو اس وقت جب

باب ۹

موٹر کا حادثہ

اختر کو اپنی ڈرائیونگ پر ناز تھا، اور یہ واقعہ بھی تھا، کہ وہ موٹر بہت عمدہ چلا لیتا تھا، ایک دن وہ شکار کو گیا، واپسی میں ایک درخت سے موٹر کی ٹکر ہوئی، اور وہ شدید زخمی ہو گیا، یہ خبر گھر میں پہونچی تو کہرام برپا ہو گیا، عائشہ بیگم پچھاڑیں کھانے لگیں، سلطانہ نے روتے روتے جل تھل کر دیا، خود خان بہادر امجد حسین، اپنے مسلمہ وقار اور متانت کے باوجود، بے حال ہوئے جا رہے تھے، لیکن قمر کا حال سب سے جدا تھا، اس کی آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ بھی نہیں ٹپکا، لیکن دل میں آنسوؤں کا سمندر موج زن تھا، اس کے منہ سے ایک آہ بھی نہیں نکلی، لیکن اس کا سینہ، آہوں کا مخزن بنا ہوا تھا، وہ خاموش تھی لیکن اس کے چہرے پر سوگواری برس رہی تھی، وہ بظاہر بے تعلق تھی لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا، اس کا دل پھٹا جا رہا ہے،

تین روز تک، اختر زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا رہا دن میں چار چار مرتبہ ڈاکٹر آتے تھے، کئی نرسیں خدمت پر مامور تھیں عائشہ بیگم اس کی پٹی سے لگی بیٹھی تھیں، سلطانہ ہر وقت اس کے کمرے

"میں نہیں جانتی محبت کسے کہتے ہیں!"

"محبت کرنے والے دل کو پہچانو!"

"یہ پہچان بھی مجھے نہیں آتی!"

"آخر تم مجھے اور میری محبت کو ٹھکراتی کیوں ہو؟"

قمر کے لئے یہ بڑی کٹھن گھڑی تھی، اختر کی باتوں نے اس کے دل کی دنیا زیر و زبر کر دی تھی، اس کا جی چاہ رہا تھا، سر رکھ دے اختر کے قدموں پر اور کہے میرے دل کے مالک کون کہتا ہے، میں آپ کی محبت ٹھکراتی ہوں، یہ دل سوا آپ کے ہے کس کا؟ لیکن وہ سنبھلی اور تیوری چڑھا کر بولی،

"آپ جذبات کی رو میں محبت کا نام بار بار کیوں لیتے ہیں"

"اس لئے کہ محبت کرتا ہوں تم سے!"

"اگر آپ یہ جانتے ہوتے کہ محبت کسے کہتے ہیں، تو مجھے بہکانے کی کوشش نہ کرتے!"

اختر نے حیرت کے ساتھ کہا،

"میں تمہیں بہکاتا ہوں؟"

"یقیناً"

"میں تم سے محبت نہیں کرتا"؟

"میں نہیں جانتی، نہ یہ جاننے کی ضرورت ہے"

"میرے اظہار محبت کا مطلب تم یہ لیتی ہو"

قمر نے باوقار انداز میں کہا،

وہ کمرہ میں موجود نہیں ہوتا تھا، چپکے سے آکر اپنا کام کرکے چلی جاتی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا، اختر کی بیماری کے زمانہ میں قمر کچھ اور تھی، اور اس کے تندرست ہونے کے بعد وہ کچھ اور ہوگئی،

ایک روز اختر نے موقع پاکر پھر اس کا راستہ روکا، اور کہا،

"قمر مجھے کچھ باتیں کرنا ہیں تم سے!"

"باتیں کرنے کی مناہی ہے ڈاکٹروں کی طرف سے"

"ہونے دو، میں ضرور باتیں کروں گا، ورنہ میرا دماغ پھٹ جائے گا، میں پاگل ہوجاؤں گا!"

"خدا نہ کرے پاگل ہوں آپ کے دشمن"

"میری سب سے بڑی دشمن تم ہو، اور تم ہی نے مجھے پاگل بنا رکھا ہے!"

"میں نے کیا کیا"؟

"تم نے مجھے مرکیوں نہیں جانے دیا؟"

"للہ ایسی باتیں نہ کیجئے"

اختر نے ایک جوش اور جذبہ کے عالم میں کہا،

"تم مجھے زہر بھی دیتی ہو، اور تریاق بھی، زخم بھی لگاتی ہو، اور مرہم بھی رکھتی ہو، میں یہ دوہری مار نہیں کھا سکتا، میں بے موت مرجاؤں گا، ورنہ اپنا طرز عمل بدلو!"

"آخر میں کیا کروں؟ کیا چاہتے ہیں آپ؟"

"محبت کرنا سیکھو!"

اور خیالات پرورش پا رہے ہیں، ان کی اصلاح کی جائے، اس نے ملائمت کے ساتھ پھر قمر کو مخاطب کیا،

"تم کیسی باتیں کرتی ہو قمر؟"

وہ ذرا تیکھے انداز میں بولی،

"ایسی باتیں جن کا جواب آپ جیسے قابل آدمی سے نہیں بن پڑتا"

قمر نے --- شہ رگ پر حملہ کیا تھا، اس حملہ سے اختر ابھی سنبھل نہیں پایا تھا، کہ قمر نے پھر ایک وار کیا، اس نے کہا،

"اگر آپ ان باتوں سے باز نہ آئے، تو میں بیگم صاحبہ سے سارا کچا چٹھا کہدوں گی جاکر!"

اب اختر سنبھل چکا تھا، اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا،

"پھر کیا ہوگا"؟

قمر نے ٹھنڈی سانس لیکر ذرا تلخی کے ساتھ کہا،

"آپ کا کچھ نہیں بگڑے گا، میں جوتے مار کر نکال دی جاؤں گی اس گھر سے ———!"

یہ کہتے کہتے قمر نے سوچا، اس طرح تو اختر کو مجھ پر رحم آجائے گا ضرورت تو اسے بھڑکانے کی ہے،

وہ پھر بولی،

"آپ کو کوئی حق نہیں ہے کہ میری غریبی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں، میں غریب ہوں، لیکن اپنی عزت کی حفاظت کرنا جانتی ہوں، میں آپ کے ہاتھ کا کھلونا نہیں بن سکتی!"

"بے شک!"

"کیوں؟ کیسے"؟

قمر نے اسی از خود رفتگی کے عالم میں کہا،

"اس اظہار محبت کا مطلب کیا ہے؟"

"اظہار محبت"!

"آپ یہ چاہتے ہیں، کہ میں اپنے دل کے دروازے آپ کے لئے کھولدوں، اور آپ آکر اس میں بیٹھ جائیں؟"

"بالکل یہی!"

"لیکن آپنے یہ نہ سوچا کہ میں ایک حقیر خادمہ ہوں آپ سے محبت کیسے کرسکتی ہوں"؟

"جس طرح میں کرتا ہوں"

"میں اگر آپ سے محبت کروں بھی تو وہ نبھ کے دن سکتی ہے!"

اختر نے فوراً کہا،

"عمر بھر"!

قمر تڑپ سے بولی،

"صرف زبان سے"؟

اختر کچھ دیر خاموش رہا، وہ سوچ رہا تھا، میں دعوے کو عمل سے کس طرح ثابت کرسکتا ہوں، یہ سوچتے سوچتے اس نے فیصلہ کیا، یہ ذرا پیچیدہ مسئلہ ہے، اس پر فرصت سے اطمینان کے ساتھ غور کیا جائے گا، فی الحال ضرورت اس کی ہے کہ قمر کے دل میں جو شبہات

تمام مرحلوں میں سے کسی مرحلہ پر بھی وہ قابو میں نہ آئی، ایک وحشی ہرنی کی طرح چوکڑیاں بھرتی رہی، قریب ہو ہو کر دور ہوتی رہی، دور پہونچ کے قریب آتی رہی، قریب آئی تو اس طرح کہ ہاتھ اسکے دامن تک نہ پہونچ سکے، دور گئی تو یوں، کہ

ہم اڑ کر بھی نہ پہونچیں ہم سے اتنی دور ہو جانا

آخر یہ مسئلہ حل کس طرح ہوگا، وہ اسی فکر میں غرق تھا، اور کوئی معقول راہ عمل اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی!

اختر نے کہا،

"محبت کرنے والا دل نہ تمہیں بہکا سکتا ہے، نہ کھلونا بنا سکتا ہے وہ صرف محبت ہی کر سکتا ہے، بیتابانہ محبت، سچی محبت!"

"وہی تو میں کہتی ہوں، صرف زبان سے!"

"آخر کس طرح سمجھاؤں کہ میں تم سے سچی محبت کرتا ہوں"

قمر نے پھر ذرا تلخ لہجہ میں کہا،

"اگر آپ کو مجھ سے سچی محبت تھی، تو آپ کو میرے بجائے میرے باپ سے گفتگو کرنی چاہیئے تھی!"

اختر حیرت سے قمر کا منہ دیکھنے لگا، وہ پھر گویا ہوئی،

"لیکن میں جانتی ہوں، امیروں کے قدم غریبوں کے جھونپڑے تک نہیں جا سکتے، وہ اپنے عشرت کدہ میں غریبوں کو بلا کر انہیں لوٹ سکتے ہیں، لیکن ان کے غریب خانہ کی طرف ان کے قدم نہیں اٹھ سکتے"

اس نے یہ کہا، اور غصہ کے عالم میں اور زیادہ حسین و خوب رو بنکر، نکلی چلی گئی،

قمر چلی گئی، لیکن اختر کی جنبش کسی نے سلب کر لی، ایسا معلوم ہوتا تھا، وہ ایک بے جان مجسمہ ہے، جو نہ حرکت کر سکتا ہے، نہ ہل سکتا ہے، اس نے شروع شروع میں قمر سے مذاق کیا تھا، پھر واقعی اسے بے وقوف بنانا چاہا تھا، پھر اسے نازک کھلونا سمجھ کر اس سے کھیلنا چاہا تھا، پھر وہ اس کی محبت کے دلدل میں پھنس گیا، اور اسے اسیر دام کرنے کی بجائے واقعی اس کی زلف گرہ گیر کا اسیر بن گیا ——— لیکن ان

لے جا سکتی ہے، لیکن مرد، فراق سے کم لذت اندوز ہوتا ہے، وصال پر جان دیتا ہے، اور وہ اختر کو اس بکھیڑے سے الگ رکھنا چاہتی تھی،

وہ محسوس کرتی تھی، اگر میری محبت افشا ہو گئی، اگر میں نے اختر کی دعوت الفت قبول کر لی، تو نتائج نہایت ہولناک ہوں گے، بیگم صاحبہ اور خان بہادر صاحب، اور سلطانہ، لاکھ مجھے چاہیں، لیکن اس گھر کی بہو بنانا مجھے منظور نہیں کر سکتے، اب اختر کے لئے ایک ہی چارۂ کار رہ جاتا ہے یہ کہ وہ ماں باپ سے بغاوت کرے، خاندان کے وقار کو بٹہ لگائے، اپنے ہم عصروں، اور ہم چشموں میں ذلیل ہو، گھر سے بغاوت کر کے اگر وہ مجھے اپنا بھی لے، تو میں تو خیر، خود اختر اتنا ذلیل ہو جائے گا، کہ کوئی اس سے سیدھے منہ بات کرنے کا بھی روادار نہیں ہوگا، میں اگر اس سے سچی محبت کرتی ہوں، تو میری محبت کا تقاضہ یہی ہے کہ میں اسے ذلیل نہ ہونے دوں--- اسے خاندان سے باہر نہ نکلنے دوں، اور اگر بالفرض، خان بہادر صاحب، اور بیگم صاحبہ مجھے اپنی بہو بنانے پر رضامند بھی ہو جائیں اور اختر کو اجازت بھی دے دیں کہ وہ میرے ساتھ شادی کر لے، تو بھی اس گھر میں میری وقعت کیا ہوگی؟ یہاں کے نوکر مجھے ذلیل سمجھیں گے خود سلطانہ جو مجھے اتنا چاہتی ہے، نند کی حیثیت سے میرا منہ دیکھنا بھی پسند نہ کرے گی، خان بہادر صاحب اور بیگم صاحبہ کے دل میں بھی ہمیشہ یہ کانٹا کھٹکتا رہے گا، کہ ان کی بہو، ایک ذلیل اور کم مایہ چھوکری ہے، میں اپنی ذلت برداشت کر سکتی ہوں، لیکن اختر کی بیوی کی حیثیت سے میری ذلت اختر کی ذلت ہوگی، پھر آگے چل کر، جو اولاد ہوگی، اس کا بھی یہی

باب ۱۰

غم دل

قمر بری طرح اختر کو چاہنے لگی تھی، وہ سوتی تھی تو اسے خواب میں دیکھتی تھی، جاگتی تھی، تو اس کے تصور سے باتیں کیا کرتی تھی، وہ اس کی نظر کے سامنے آجاتا تھا، تو اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگتا تھا وہ اس سے باتیں کرتا تھا، تو وہ کانپنے لگتی تھی، وہ اختر کو دیکھ کر چاہتی تھی، ساری دنیا کو چھوڑ کر اسی کی ہو رہی، وہ اپنے دل کو تولتی تھی، تو محسوس کرتی تھی، اختر سے زیادہ اس دنیا میں وہ کسی کو نہیں چاہتی، اس کا دل چاہتا تھا، ہر وقت اسی سے باتیں کیا کرے، ہر وقت اسی کو دیکھا کرے، ہر وقت اسی کے خیال میں مگن رہے، لیکن وہ انتہائی ضبط سے کام لے رہی تھی، وہ خود، دل و جان سے اختر کو چاہتی تھی، لیکن یہ نہیں چاہتی تھی، کہ اختر اسے چاہے، وہ جانتی تھی، میں ساری زندگی، اس غم میں سلگ سلگ کر جل سکتی ہوں، لیکن اختر کو اگر میری محبت کی سن گن مل گئی، تو وہ ہاتھ پکڑتے پکڑتے پہونچا پکڑنے لگے گا، عورت صرف محبت کر سکتی ہے، مرد صرف محبت نہیں کرتا، وہ محبت کے ساتھ کچھ اور بھی چاہتا ہے، عورت فراق کی زندگی بسر کر کے بھی ساری زندگی جھیل

لیکن اپنے اختر کو، اپنے محبوب کو، اپنے دل کے مالک کو وہ برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتی، اس کے پہلو میں وہ کانٹا بنکر نہیں چبھ سکتی،

یہ تھے وہ تاثرات وخیالات جن کی بنا پر اس نے رائے قایم کی تھی کہ اختر سے دور دور رہے، اس سے باتیں نہ کرے وہ باتیں کرے، تو اسے تلخ اور درشت لہجہ میں جواب دے کہ پھر اس کی ہمت نہ پڑے باتیں کرنے کی، اور پھر کبھی باز نہ آئے، تو ایسے جلے کٹے الفاظ استعمال کرے کہ وہ.... بھڑک اٹھے، مشتعل ہوجائے، نفرت کرنے لگے، اس سے، ذلیل سمجھنے لگے اسے، یہی وجہ تھی کہ اختر جب اس سے باتیں کرتا تھا، وہ اپنے دل سے پہلے لڑتی تھی، اور پھر اس سے لڑنے لگتی تھی، زبان دل کا ساتھ نہیں دیتی تھی، اور دل زبان کا ساتھی نہیں تھا، پھر بھی کسی نہ کسی طرح وہ اپنا کام چلا لیتی تھی، بعد میں وہ چاہے جتنا روئے، لیکن آج تک اختر کے سامنے اس نے اپنے آپ کو کمزور نہیں پڑنے دیا تھا، جب کبھی آمنا سامنا ہوا، اور اختر نے، محبت اور الفت کی باتیں شروع کیں، وہ بپھر گئی، اکڑ گئی، بھڑک اٹھی، اور واقعی اگر اختر اس سے محبت نہ کرتا ہو تو وہ ضرور اس سے نفرت کرنے لگتا،

اس ذہنی کش مکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ افسردہ سی رہنے لگی، کسی کام میں اس کا جی نہ لگتا، گھر جاتی، تو باپ سے باتیں نہ کرتی، چپ چاپ اسے کھانا کھلاتی، اور اپنے بستر پر پڑ رہتی، یہاں آتی، تو سلطانہ، اور اختر کے سارے کام بڑی مستعدی سے کرتی، لیکن خود سے کوئی بات نہ کرتی، خاموش خاموش سی رہتی ایک آدھ مرتبہ بیگم نے پوچھا، قمر تو آج

حشر ہوگا، میری اولاد ذلیل اور حقیر سمجھی جائے، اس کا مجھے غم نہیں ہو سکتا، میں خود کون سی عزت دار ہوں، لیکن اختر کی اولاد ذلیل سمجھی جائے، یہ میں کس دل سے سہہ سکوں گی؟

اس مسئلہ کو 'قمر' جذباتی حیثیت سے حل کرنا نہیں چاہتی تھی، اگر وہ صرف جذباتی حیثیت سے.... حل کرنا چاہتی تو راستہ میں کوئی دشواری ہی نہیں تھی،

ابتو آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

اختر کی محبت کا جواب محبت سے دیتی، اور آئندہ جو کچھ ہوتا دیکھا جاتا، لیکن وہ حد درجہ حساس، اور جذباتی ہونے کے باوجود، اس معاملہ میں جذبات سے بہت دور تھی، وہ حال کو نہیں مستقبل کو سوچتی تھی، اختر کا کا انجام کیا ہوگا، خاندان والوں کا اس کے ساتھ کیا برتاؤ ہوگا؟ اس کی بیوی پر کیسی نظریں پڑیں گی، اس کی اولاد کس نظر سے دیکھی جائے گی، وہ ہرگز اس پر تیار نہیں تھی، کہ اس کی وجہ سے اختر خاندان کو، اور ماں باپ کو چھوڑ دے وہ ماں باپ کا اکلوتا لڑکا تھا، سارے خاندان کی امیدیں اس سے وابستہ تھیں، ایسے لڑکے کو خاندان سے اور ماں باپ کی گود سے چھین کر وہ کتنا بڑا ظلم کرے گی، کیا اس ظلم کو وہ سرانجام دے سکے گی، دل کہتا تھا، نہیں ہرگز نہیں، وہ اپنے لئے، اختر کو، اس کے مستقبل کو، برباد کرنا نہیں چاہتی تھی، اس کا خیال تھا، وہ اختر کے لئے پھولوں کی سیج نہیں بن سکتی، کانٹوں کا تاج بن جائے گی، وہ خوش و ناخوش ہر طرح زندگی بسر کر لے سکتی ہے

باب ۱۱

دل کے زخم

اختر کی خوش طبعی، اور زندہ دلی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، لیکن دل ہی دل میں وہ بھی، غم کی کھٹک اور درد کی کسک محسوس کیا کرتا تھا قمر کو جتنا جتنا اس نے اپنا بنانے کی کوشش کی، وہ اور دور ہوتی چلی گئی، لیکن اس نے ابتک ہمت نہیں ہاری تھی، وہ ملاقات وگفتگو کا کوئی موقع ضایع نہیں ہونے دینا چاہتا تھا، —— جب کبھی موقع مل جاتا، وہ مسکرا کر خیریت مزاج ضرور دریافت کرلیتا، اور قمر وہی ایک جوابدیتی جو ہمیشہ سے دیتی چلی آئی تھی، یعنی خاموشی، یا اعلان جنگ، درمیان کی کوئی منزل اسے معلوم ہی نہیں تھی،

کئی دن سے اختر اس فکر میں تھا، کہ قمر سے ذرا اطمینان اور تفصیل سے ملاقات کرے، وہ دیکھ رہا تھا، کوئی انچھر مغرور چھوکری پر کارگر نہیں ہوتا،

نہ بہ زاری، نہ بہ زور سے، نہ بہ زر می آید

ان تمام ہتھکنڈوں کو وہ آزما کے دیکھ چکا تھا، اور ناکام ہو چکا تھا، اب ایک مرتبہ صاف صاف گفتگو کرلینا چاہتا تھا، لیکن کئی روز کی

کل، اداس کیوں رہتی ہے، اس نے کہا، میں تو بالکل اداس نہیں ہوں، قمر انکی ملازمہ تھی، لڑکی نہیں تھی، اس جواب سے وہ مطمئن ہوگئیں، باپ آنکھوں سے محروم تھا، وہ اس کا اترا ہوا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا، لیکن اس کے سینہ میں باپ کا دل تھا، جو ماں کا بھی قایم مقام تھا، کچھ روز تک اس نے، قمر کا یہ حال دیکھا، اور ایک روز بے اختیار ہو کر پوچھ بیٹھا،

"بیٹی، تجھے چپ کیوں لگ گئی ہے، اب تو بلبل کی طرح چہکتی کیوں نہیں؟ کوئی غم ہے تجھے، کوئی فکر ہے تجھے؟ سچ بتا؟"

اس نے باپ کو بھی، بیگم صاحبہ کی طرح ٹالنے کی کوشش کی، لیکن وہ باپ تھا اس کا آقا نہیں تھا، اس کا دل مطمئن نہ ہوا، اس نے بار بار پوچھا، لیکن ہر بار قمر ٹال گئی، اس کا ردعمل یہ ہوا کہ وہ اور تو کچھ نہ کر سکا، خود بھی غمگین اور ملول رہنے لگا،

ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

باپ کا یہ رنگ دیکھ کر، قمر کو اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کرنی پڑی اب وہ باپ کے سامنے خوش رہتی، بلبل کی طرح چہچہاتی، اور اکیلے میں بیٹھ کر، اس خوشی کی، اس چہچہانے کی کسر نکالتی، یعنی خوب جی بھر کے روتی، لیکن اس طرح کہ اس کی سسکی، دل کے سوا اور کوئی نہ سن سکے اس کے آنسو بستر کے سوا کہیں اور نہ گر سکیں،

کیا ہے؟ اسے اپنے اوپر اختر سے زیادہ اعتماد تھا، اس لئے آبرو، اور ناموس کے سلسلہ میں وہ زیادہ فکرمند نہ تھی، البتہ اسے تشویش یہ تھی کہ اس مجرمانہ گھبراہٹ اور عجلت کے ساتھ، اختر کار کو کیوں سرپٹ بھگائے لے جا رہا ہے، ؟ دفعتہً اس نے کہا،

"گاڑی روکئے!"

رکنے کی بجائے گاڑی کی رفتار اور تیز ہوگئی، وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولی،

"میں چیختی ہوں!"

لیکن اختر نے گویا اس کے یہ الفاظ سنے ہی نہیں، وہ پھر چیخی،

"میں پھاندتی ہوں!"

یہ کہہ کر، اس نے واقعی کار کا دروازہ کھولدیا، گاڑی ایک سخت جھٹکے کے ساتھ رکی، یہ ایک سنسان اور ویران مقام تھا، جسے دلکشا باغ کے نام سے لوگ یاد کرتے ہیں، قمر رونے لگی، اس نے، ہچکیاں لیتے ہوئے کہا،

"آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں"

اختر نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے، قمر کی طرف مڑکر سنجیدگی سے کہا،

"اپنے دل کے زخم دکھانے!"

قمر نے غصہ کے عالم میں جواب دیا،

"میں نہیں دیکھنا چاہتی آپ کے دل کے زخم"

اختر نے کہا،

سعی و کوشش کے باوجود، اب تک کوئی ایسا موقع اسے دستیاب نہیں ہوا تھا،

ایک روز شام کا وقت تھا، اور ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی، اختر اپنی خوبصورت کار پر، کہیں باہر جانے کے لئے گھر سے نکلا تھا، اسی وقت قمر بھی، گھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر، اپنے گھر جا رہی تھی، تھوڑی دور آگے جانے کے بعد، اس نے، موٹر کا ہارن سنا، وہ جلدی سے بائیں طرف ہو گئی، لیکن موٹر آگے جانے کے بجائے اس کے پاس آ کر رک گئی، اختر کی دل لبھانیوالی، اور رجھانے والی آواز کان میں آئی

"بارش ہو رہی ہے، گاڑی میں بیٹھ جاؤ، میں تمہیں تمہارے گھر تک پہونچا دوں گا!"

اس نے سادگی کے ساتھ کہا،

"شکریہ، میں چلی جاؤں گی!"

اختر نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا، اور کہا،

"ضد نہ کرو، بھیگ جاؤ گی، بخار آجائے گا،"

قمر نے سرِ راہ حجت کرنا مناسب نہیں سمجھا، وہ خاموشی کے ساتھ کار کی پچھلی نشست پر آ کر بیٹھ گئی، اور اس کے بیٹھتے ہی ایک جھٹکے ساتھ کار ہوا سے باتیں کرتی ہوئی روانہ ہوئی، اختر پوری رفتار سے گاڑی چلا رہا تھا، مائلیج کی رفتار بتانے والی سوئی، تیزی کے ساتھ بڑھتے بڑھتے پچاس تک پہونچ چکی تھی، یہ رنگ دیکھ کر قمر پر سراسیمگی اور دہشت کی کیفیت طاری ہو گئی، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، اس حرکت سے اختر کا مقصد

آتے ہوئے کہا،

"محبت زبردستی نہیں کرائی جاتی!"

اختر نے بڑی ملائمت، اور متانت کے ساتھ کہا،

"میں زبردستی نہیں کرتا، اپنا سر تمہارے قدموں پر رکھنے آیا ہوں!"

یہ محبت بھرے الفاظ سنکر، قمر پھر ڈانواڈول ہوئی، اور اس کا جی چاہا کہ یہ نہ کہیئے، میں تو خود، اپنا دل آپ کے قدموں پر نثار کر چکی ہوں، عالم خیال میں بارہا اپنا سر آپ کے قدموں پر جھکا چکی ہوں، آپ کو چلتے ہوئے دیکھا ہے، اور دیکھتی رہی ہوں، پھر آپ جب نظروں سے اوجھل ہوگئے ہیں، تو آپ کے نقش قدم کو دیکھا کی ہوں، اسی آنکھوں سے لگایا اور دل میں رکھا ہے، لیکن اس نے چونک کر کہا،

"آخر کیوں؟ کس لئے"؟

"اس لئے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں"!

قمر نے پھر طنز سے کام لیا،

"جو لوگ بار بار محبت کا نام لیتے ہیں، وہ محبت کو بدنام کرتے ہیں محبت کرنا نہیں جانتے!"

"اچھا تو تم سکھا دو، بتاؤ محبت کس طرح کی جاتی ہے؟ جس طرح تم کہو گی، میں اسی طرح محبت کروں گا!"

"یہ فن مجھے نہیں آتا!"

"کتنا بڑا ظلم ہے، نہ خود محبت کرنا سکھاتی ہو، نہ مجھ سے محبت

"دیکھنا پڑیں گے تمہیں"؟

"کوئی زبردستی ہے، کیوں دیکھنا پڑیں گے"؟

"اس لئے کہ تم ہی ان زخموں کا مرہم بن سکتی ہو!"

روتے ہوئے قمر بولی،

"میں کچھ نہیں بن سکتی، مجھے واپس لے چلئے!"

"تم اسقدر گھبرا کیوں رہی ہو؟ میں کوئی ہوّا ہوں، جو تمہیں ہڑپ کر جاؤں گا؟ ڈاکو ہوں جو تمہیں لوٹ لوں گا!"

"آپ بڑے شریف ہیں، لیکن مجھ سے زبردستی کی باتیں نہ کیجئے، میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی!"

"صبر سے کام لو قمر، میں چند بے حد ضروری اور فیصلہ کن باتیں تم سے کرنا چاہتا ہوں، بس اس کے بعد واپس چلتے ہیں!"

"میں ہرگز کسی قسم کی بات کرنا نہیں چاہتی، واپس چلئے"!

"اچھا صرف ایک بات!"

قمر خاموش ہو گئی، گویا صرف ایک بات سننے پر وہ راضی ہے، اختر نے کہا،

"کیا تم مجھ سے محبت کر سکتی ہو؟"

محبت کا نام سنکر، پھر اس کے دل میں ہلچل مچ گئی، اس سوال کا جواب ایک ہی ہو سکتا تھا، اور وہ "ہاں" کے سوا کچھ نہیں تھا، لیکن قمر اس معاملہ میں "ہاں" کہنے پر کسی طرح راضی نہیں تھی، اس نے دل ہی دل میں اپنے دل کو مسلتے ہوئے، اور اپنے دلی جذبات پر غالب

محبت کرنے والی بہن کو، چھوڑ دے، لیکن میں تجھے اس امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتی، اس لئے نہیں ڈالنا چاہتی، کہ اس میں تیرا نقصان ہے! میں تیرے نقصان کی ساتھی نہیں، تیرے نفع کی جویا... ہوں، چند لمحوں کے اندر اندر، یہ سارے خیالات قمر کے دل و دماغ میں چکر کھانے لگے، ایک مرتبہ پھر اس نے باطن کو چھپایا، اور ظاہر کو نمایاں کیا، وہ بولی،

"یہ وہ الفاظ آپنے استعمال کئے ہیں، جو میں بھی پڑھ چکی ہوں ——— بہت زیادہ تو نہیں تھوڑا بہت پڑھنا لکھنا میں بھی جانتی ہوں ———"

اختر روہانسا ہو گیا، اس نے کہا،

"تمہارے یہ الفاظ تیر و نشتر بنکر میرے دل میں چبھ رہے ہیں، تم محبت کرنا بھی نہیں جانتیں، تمہیں رحم کرنا بھی نہیں آتا"!

"میں کچھ نہیں جانتی، مجھے کچھ نہیں آتا، آپ سب کچھ جانتے ہیں آپ کو سب کچھ آتا ہے، اسی لئے تو کہتی ہوں، یہ بیل منڈھے نہیں چڑھ سکتی، کہاں میں؟ کہاں آپ!"

کچھ دیر تک اختر خاموش رہا، پھر اس نے کہا،

"اب زبان کو زیادہ تکلیف نہ دو، ہاتھ سے کام لو، میرا سر حاضر ہے، تم شوق سے جوتے مار سکتی ہو، شاید اسی طرح تمہارا دل ٹھنڈا ہو جائے"

اب قمر کے لئے ضبط کرنا ناممکن ہو گیا، وہ بے اختیار رونے لگی، وہ اس تنہائی پر، اپنی بے بسی پر نہیں رو رہی تھی، اسے اپنی

کرنا سیکھتی ہو، پھر آخر کام کس طرح چلے گا؟"

"یہ کام سیکھنے سکھانے سے نہیں چل سکتا!"

"پھر کس طرح چلے گا، یہی تو پوچھتا ہوں!"

"میں نہیں جانتی"!

"تو میری محبت کا یقین کرو!"

"یہ بھی نہیں کر سکتی!"

"تم مجھے صرف قتل کر سکتی ہو؟ میری زندگی تباہ کر سکتی ہو؟ مجھے موت کے گھاٹ اتار سکتی ہو؟ اس مہربانی کے علاوہ تم مجھ پر کوئی اور احسان نہیں کر سکتیں؟"

یہ الفاظ اختر نے بڑے درد بھرے لہجے میں کہے تھے، ان میں خشونت نہیں تھی، غصہ نہیں تھا، تیزی اور خفگی بھی نہیں تھی، التجا تھی، درخواست تھی، اختر کے منہ سے یہ الفاظ سنکر، تمر بیتاب ہوگئی، اس کا دل اسے ٹھونکے دے رہا تھا، اور اس سے کہہ رہا تھا، اس سے بڑھ کر کوئی موقعہ نہیں مل سکتا، سوچ بچار چھوڑ، اٹھ، اور اپنے محبوب کے پاس بیٹھ جا، اور اس سے کہدے، میں تیری ہوں، صرف تیری، میری جان، میری زندگی، میری روح، تیرے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی، میں تجھے دل سے چاہتی ہوں تو جو کہے گا، میں وہی کروں گی، میں تیرے لئے، اپنے اپاہج باپ کو چھوڑ سکتی ہوں، اس دنیا کو چھوڑ سکتی ہوں، لیکن مشکل یہ ہے کہ تجھے بھی میرے لئے یہ سب کچھ کرنا پڑیگا، تو بھی مجھے اسی وقت پا سکے گا، جب خاندان کی دشمنی مول لے لے، جب محبت کرنے والی ماں کو، محبت کرنے والے باپ کو،

دی، اس کی نظر ٹریفک کے کانسٹبل پر تھی، اور دل قمر کے پاس، اور خیالات کہیں اور، اس موقع کو غنیمت سمجھ کر، قمر چپکے سے گاڑی سے اتری، اور رات کے اندھیرے میں، ایک گلی سے ہوئی ہوئی، اپنے گھر کی طرف چلی گئی،

تھوڑی دیر کے بعد، اختر کی گاڑی آگے بڑھی، تو کانسٹبل نے آواز دی، "پٹ کھلا ہے" اختر نے گاڑی چلاتے چلاتے، پٹ بند کیا، قمر کی سیٹ پر نظر پڑی، تو وہ خالی تھی،

سنگدلی پر، اور اختر کی نگوں ساری پر غصہ آ رہا تھا، اور یہی غصہ رد عمل میں تبدیل ہو گیا تھا، وہ بہت کچھ اپنے دل کے خلاف کہہ چکی تھی بہت سے تلخ و تیز الفاظ ——— چھری سے زیادہ تیز، اور نیم سے زیادہ کڑوے ——— استعمال کر چکی تھی، وہ چاہتی تھی اختر اسے سزا دے، گالیاں دے، مارے، لیکن وہ خاموشی کے ساتھ اس کے الفاظ سن رہا تھا، اس نے ابتک ایک سخت الفاظ بھی استعمال نہیں کیا تھا، وہ ایک مجرم کی طرح گردن جھکائے ہوئے تھا، اور اسی پر قمر کو غصہ آ رہا تھا، مجرم وہ خود تھی، جو مجرم تھا، وہ حاکم بنا ہوا تھا، جو حاکم تھا ——— دل کا ——— وہ مجرم ہونے کا اقرار کر رہا تھا، اس الٹی گنگا کے بہنے پر اسے غصہ تھا، اور غصہ کی شدت میں آنسو نکل ہی آتے ہیں،

اختر کو بالکل اندازہ نہ تھا، کہ اس وقت قمر کے دل پر کیا گزر رہی ہے، وہ صرف یہ محسوس کر رہا تھا، کہ جو کچھ اس کے دل پر گزر رہی ہے اسے قمر نہ جانتی ہے، نہ جاننا چاہتی ہے، اس نے ایک مرتبہ قمر کے رُٹے ہوئے چہرہ کی طرف دیکھا، پھر کہا،

"اچھا ——— چلو!"

اختر نے قمر کی طرف بیٹھ کر لی، اور گاڑی اسٹارٹ کر دی، گھنی آبادی، میں پہونچنے کے بعد، ایک جگہ ٹریفک کے کانسٹبل نے گاڑی روکی، دوسری طرف کی گاڑیوں کو آگے بڑھنے دینے کیلئے ضروری تھا کہ کچھ دیر کے لئے ادھر کی گاڑیاں روک دی جائیں، اختر نے گاڑی روک

نہیں تھا، جو اس کے غم کو خوشی سے بدل سکتا،
اتنے میں لاٹھی کا سہارا لیتا ہوا، امدو آیا، اسے دیکھ کر، قمر نے جلدی جلدی اپنے آنسو پونچھے، امدو نے کہا،
"بیٹی آج کام پر نہیں جاؤ گی؟"
وہ افسردگی کے ساتھ بولی،
"نہیں بابا!"
"کیوں طبیعت تو ٹھیک ہے؟"
"طبیعت تو ٹھیک ہے، لیکن اب میں نوکری نہیں کروں گی بابا"
امدو کو یہ سنکر حیرت ہوئی، اس نے کہا،
"کیوں بیٹی؟"
"جی نہیں لگتا!"
"تو تو بڑے شوق سے وہاں جایا کرتی تھی، اور اب جی نہیں لگتا ——— میں نہ مانوں گا ضرور کوئی بات ہے!"
"اور کوئی بات نہیں بابا، بس جی نہیں لگتا!"
"لڑائی ہوگئی کسی سے؟"
"میں بھلا کس سے لڑوں گی؟"
"بیگم صاحبہ خفا ہوگئیں!"
"وہ تو آج تک مجھ پر کبھی خفا نہیں ہوئیں!"
"خان بہادر صاحب نے ڈانٹا"
"بالکل نہیں وہ بیچارے تو مجھ سے بات بھی نہیں کرتے؟"

باب ۱۳

ترک تعلق !

قمر اپنے گھر کے کمرہ میں ایک کھڑکی کے پاس کھڑی ہوئی تھی، بادل چھائے ہوئے تھے، ہلکی ہلکی پھوار گر رہی تھی، بڑا دلچسپ، اور دلفریب منظر تھا، وہ کھڑکی میں کھڑی، باہر کا منظر دیکھنے میں محو تھی، سامنے ہرے بھرے کھیت لہلہا رہے تھے، مینڈک چیخ رہے تھے، کوئل کوک رہی تھی قمر کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے، اس کے ہاتھ میں اختر کی ایک چھوٹی سی مسکراتی ہوئی تصویر تھی، بڑی دیر تک وہ محویت کے عالم میں، تصویر کو دیکھتی رہی، پھر اس کے دل کی آہ، اور آنکھوں کے آنسو، نغمہ بنکر نکلنے لگے، وہ بھرائی ہوئی آواز میں آہستہ آہستہ گا رہی تھی،

ہم بلاتے تو ہیں اس کو مگر اے جذبۂ دل
اس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

یہ شعر گاتے گاتے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، کوئی نہیں تھا جو اسے تسلی دیتا، کوئی نہیں تھا، جو اس کے ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑنے کی کوشش کرتا، کوئی

"اچھا یہی، لیکن تیری سلائی کڑھائی بیچے گا کون، تیرا اندھا باپ؟"

"نہیں بابا، میں نے کلثوم کے ابا سے پوچھ لیا ہے، وہ اپنے ابا کو میرا سامان دیدیا کرے گی؟ اور وہ اپنے سامان کے ساتھ بیچ لایا کریں گے، بازار سے!"

"ترکیب تو ٹھیک ہے، نوکری سے یہ گھر بیٹھے کام لاکھ درجہ اچھا"

قمر بڑی دیر کے بعد مسکرائی، اور بولی،

"یہی تو میں کہہ رہی تھی بابا ——— بات یہ ہے کہ سلائی کڑھائی کام تھوڑا بہت اماں نے مجھے سکھا دیا تھا، لیکن میرا ہاتھ صاف نہیں ہوا تھا، پھر سلطانہ بٹیا کے پاس رہ کر، میں نے نئے نئے ڈزائن بھی سیکھ لئے، اور ہاتھ کو بھی مشق ہو گئی، اب گھر بیٹھے، بڑے مزے میں، گھر کے خرچ بھر کا کام کر لیا کروں گی، اور مزہ یہ کہ نہ بھیک مانگنے کی ضرورت، نہ کسی کے نوکر!"

قمر کی ان باتوں سے امد و مطمئن ہو گیا، وہ اگر قمر سے بھیک منگاتا تھا، تو مجبور ہو کر، اسے نوکری کرنے کی اجازت دی، تو بے بس ہو کر لیکن اگر کوئی ایسی صورت نکل سکے کہ بھیک مانگے، اور نوکری کئے بغیر، گھر کا خرچ چلتا رہے، تو اس سے بڑھ کر، خوشی کی بات کیا ہو سکتی ہے،

قمر نے جو کچھ کہا تھا، اسے واقعی کر دکھایا، اپنی چھوٹی سی پونجی سے اس نے سامان منگایا، اور کام شروع کر دیا، بعض دن

"سلطانہ بٹیا نے نکالدیا؟"

"انہیں کچھ نہ کہو بابا، ان سے اچھی لڑکی تو میں نے آج تک دیکھی نہیں کہیں!"

"پھر آخر بات کیا ہے؟"

"بات تو کوئی نہیں!"

"آخر؟"

"کچھ نہیں، سچ کہتی ہوں بابا!"

"باؤلی کہیں کی بات ایسی کہتی ہے جس کا سر نہ پیر!"

"کوئی بات ہو تو کہوں بھی، جس طرح بھیک مانگتے مانگتے طبیعت اچاٹ ہو گئی تھی، ایسے ہی نوکری..... کرتے کرتے جی بھر گیا، بس یہ بات ہے، اور کچھ نہیں!"

"لیکن اب تو بھیک... مانگ نہیں سکتی، نوکری کرے گی نہیں، میں ٹھہرا، اندھا، اور ناچار، پھر گھر کا کام کیسے چلے گا؟"

"چل جائے گا کام!"

"کچھ دولت جمع کر لی ہے تو نے"؟

"دولت تو نہیں جمع کی ہے، پچاس ساٹھ روپے جمع ہو گئے ہیں، میرے پاس!"

"تو یہ کے دن چلیں گے!"

"ان روپیوں سے کڑھائی، اور سلائی کا سامان منگاؤں گی، اور گھر میں بیٹھ کر، دو ڈھائی روپیہ روز کی مزدوری کر لیا کروں گی"

گی کام پر"؟

امدو نے بے پروائی کے ساتھ کہا،

"ہاں کہدینا"

خان بہادر کے ہاں کی ملازمت ترک کرکے، قمر کو بڑا سکون مل گیا وہ محسوس کر رہی تھی کیا اس کا وہاں رہنا خطرناک ہے، اختر کی محبت رنگ لائے بغیر نہ رہے گی، اور گزشتہ واقعہ نے، تو اسے یقین دلادیا تھا کہ اب اگر وہ ایک دن بھی خان بہادر صاحب کے ہاں رہی، تو اختر کو دیکھ کر نہ وہ اپنے جذبات قابو میں رکھ سکے گی، اور نہ خود اختر آدمیت کے حامہ میں رہے گا، بلکہ وہی باتیں اور زیادہ زور شور کے ساتھ شروع کردے گا، جن سے وہ گھبراتی تھی، اور جن کا نتیجہ اس کے لئے تو نہیں، لیکن اختر کے لئے ضرور، حد درجہ تلخ، خطرناک، اور تکلیف دہ ہوگا، ملازمت ترک کرنے کے بعد، وہ اطمینان سے اختر کو یاد کرے گی، لیکن، نہ اختر اس کے پاس آسکے گا، نہ وہ اختر کے پاس جاسکے گی، خطرناک بات ملاقات تھی، ملاقات کا دروازہ بند ہونے کے بعد محبت کے دروازے چوپٹ کھلے رہیں تو بھی کوئی حرج نہیں!

تو پانچ روپے تک کی آمدنی ہو جاتی تھی، اور دو ڈھائی روپے روز، میں تو فرق پڑتا ہی نہیں تھا،

پانچ چھ روز کے بعد، اصغر آیا، اس نے تیس روپے امدو کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا،

"یہ تنخواہ بھیجی ہے قمر کی بیگم صاحبہ نے اور پوچھوایا ہے کہ اب وہ کئی دن سے کام پر کیوں نہیں آتی؟"

امدو نے کہا،

"اب وہ کام پر نہیں جائے گی!"

اصغر بولا،

"ارے یار یہ کیا غضب کرتے ہو؟ ایسا اچھا گھر ملے گا کہیں بھلا؟"

امدو نے، جواب دیا،

"اب وہ کہیں بھی نوکری نہیں کرے گی۔"

"پھر کھاؤ گے کیا؟"

امدو نے، قمر کی اسکیم اصغر کو بتا دی، اور یہ بھی کہدیا، کہ ایک ہفتہ سے وہ کام کر رہی ہے، اور اس میں اتنا مل جاتا ہے کہ ہم، باپ بیٹی، مزے میں گزر کر لیتے ہیں، یہ تفصیل سنکر، اصغر بھی مطمئن ہو گیا، اس نے کہا،

"ٹھیک ہے بھئی، نوکری سے یہ کام لاکھ درجے اچھا ہے، ——— تو آج میں بیگم صاحبہ سے کہدوں گا، قمر اب نہیں آئے

"کیوں"؟

"یہی تو نہیں معلوم!"

"تمہیں افسوس ہے اس کے نوکری چھوڑ دینے کا"؟

"لو بھلا مجھے افسوس نہ ہوگا، میں نے تو اسے اپنی سہیلی بنالیا تھا، اتنی شریف اور نیک لڑکی تھی کیا کہوں؟"

"تم اس کی شرافت اور نیکی کی بھی قائل ہو!"

"میں کیا قائل ہوں، تھی بھی، وہ شریف اور نیک!"

"پھر تم اسے زندگی بھر کے لئے، اپنے گھر میں کیوں نہیں لے آئیں؟"

سلطانہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا،

"میں نے تو زندگی بھر کے لئے اسے رکھا تھا، لیکن وہ نہ جانے کیوں روٹھ کر چلی گئی!"

"وہ تم سے نہیں مجھ سے روٹھی ہے!"

وہ حیرت سے بولی،

"تم سے؟"

"ہاں مجھ سے!"

"کیوں آخر"؟

"اس لئے کہ وہ شریف اور نیک ہے!"

سلطانہ نے حیران ہو کر پوچھا،

"بھیا یہ کیا کہہ رہے ہو تم!"

باب ۱۴

عجیب و غریب!

قمر کے نوکری چھوڑ دینے کا، اور اس گھر سے چلے جانے کا، یوں تو نصیبن کے سوا سب کو غم تھا، لیکن، سلطانہ سب سے زیادہ ملول و دل گرفتہ تھی، وہ بار بار سوچتی تھی کہ آخر بغیر کسی وجہ کے، قمر نے ملازمت کیوں ترک کر دی، لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا، ایک آدھ مرتبہ بیگم صاحبہ نے بھی اس مسئلہ پر غور فرمایا، لیکن یونہی سرسری،

سلطانہ، اپنے کمرہ میں بیٹھی ہوئی، ریڈیو سن رہی تھی، کہ اختر آیا اس نے آتے ہی، بڑے اطمینان سے سوئچ بند کیا، اور ریڈیو کی سبھا برخاست ہوگئی، سلطانہ نے کہا،

"واہ بھیا یہ کیا کیا؟ کتنا اچھا گانا ہو رہا تھا! ہوں!"

اختر نے کہا،

"گانا تو ہر وقت سن سکتی ہو تم لیکن کچھ باتیں بھی سنا ناہیں تمہیں!"

یہ کہہ کر وہ اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا، اس نے کہا،

"قمر نے نوکری چھوڑ دی؟"

"ہاں، چھوڑ دی نوکری قمر نے!"

"ایسی باتیں کروگے تو میں رو دوں گی"

اختر نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا،

"رونا اول بھی، آخر بھی، اس وقت کم روؤ گی، بعد میں زیادہ روؤ گی، مجھے یقین ہے، میری یاد زندگی بھر تمہارے دل میں کانٹے کی طرح چبھتی رہے گی، لیکن پھر تم مجھے نہیں پا سکو گی، اور اس مسئلہ کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ صرف یہی نہیں کہ تمہارا چہیتا بھائی ناکام و نامراد اس دنیا سے اٹھ جائے گا، بلکہ آخرت میں بھی، وہ قیامت تک اور قیامت کے بعد سے لیکر نہ جانے کب تک، جہنم کے دہکتے ہوئے انگاروں اور بھڑکتے ہوئے شعلوں کا لقمہ بنا رہے گا!"

سلطانہ واقعی رونے لگی، اس نے کہا،

"ہائے اللہ یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے میرے بھیا"؟

"میں جھوٹ نہیں کہتا سلطانہ، تم جانتی ہو، اور ہر مسلمان کو جاننا چاہیئے، کہ خودکشی اسلام میں گناہ ہے اور اس کی سزا جہنم ہی جہنم!"

جہنم کو، کچھ ایسے ڈراونے انداز میں اختر نے ادا کیا، کہ سلطانہ سر سے پاؤں تک لرز گئی، اس نے دہشت زدہ انداز میں کہا،

"پھر"؟

اختر نے بے پروائی کے ساتھ کہا،

"پھر کیا؟ تمہیں کیا کرنا چاہیئے، یہ تم سوچو، میں تو خودکشی کے لئے بھی تیار ہوں، اور جہنم کا ایندھن بننے کے لئے بھی!"

سلطانہ نے سوال کیا،

"سچ کہہ رہا ہوں، وہ مجھ سے خفا ہے، میری وجہ سے اس نے نوکری چھوڑ دی ہے، میں اسے بہت پریشان کیا کرتا تھا، ہر وقت چھیڑا کرتا تھا اسے!"

سلطانہ حیرت سے اختر کا منہ دیکھنے لگی، اختر نے کہا،

"بات اصل میں یہ ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگا تھا، اور وہ ٹھہری شریف اور نیک لڑکی، اور شریف اور نیک لڑکیاں، محبت نہیں کرتیں، شادی کر لیتی ہیں، لہٰذا اب کسی طرح تم اسے شادی پر راضی کرو، ورنہ میں چلا!"

"چلے کہاں"؟

"زہر کھالوں گا، یا کنپٹی پر پستول کی گولی مار لوں گا!"

یہ الفاظ سنکر، سلطانہ کی اندر کی سانس اندر اور باہر کی باہر رہ گئی، کاٹو تو لہو نہیں بدن میں، یہ ایسی ان ہونی، خلاف واقعہ، اور "غیر فطری" بات اختر نے کہہ دی تھی، کہ سلطانہ کو اس کا سان گمان بھی نہیں تھا، وہ گم سم بیٹھی رہی ایک حرف بھی اس کے منہ سے نہ نکلا،

اختر نے کہا،

"تو میں مایوس ہو جاؤں؟"

"کیا بتاؤں بھیا!"

"سوچ لو سلطانہ ——— ایسا بھائی تمہیں پھر نہیں ملے گا دنیا میں!"

سلطانہ بے بسی کے ساتھ بولی،

کی دھمکی دی تھی!"

"جب بھی انکار کرتی رہی؟"

"کیوں نہ کرتی؟ وہ کوئی میری بہن تو ہے نہیں جو خودکشی کا نام سنتے ہی تڑپ جائے، اور جو میں کہوں وہ کرنے پر راضی ہو جائے!"

"تو آخر اب کیا کیا جائے؟"

"کسی طرح اسے راضی کرو، میں تم سے سچ کہتا ہوں، سلطانہ قمر کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا!"

"بھیا تم ایسی بات کہہ رہے ہو جو آج تک کبھی نہیں ہوئی!"

"کیا نہیں ہوا؟"

"ایسی شادی، اور کیا!"

"یعنی کسی شریف آدمی نے، کسی شریف اور نیک لڑکی سے شادی نہیں کی، یہی نا؟"

سلطانہ ہنس دی، اس نے کہا،

"یہ لو، اب مذاق کرنے لگے!"

اختر نے کہا،

"اس میں مذاق کی کیا بات ہے؟ میری شرافت تو مسلمہ ہے اس سے تو کوئی دشمن بھی انکار نہیں کر سکتا، رہی قمر سو اس کی شرافت اور نیکی کی تم بھی قائل ہو، اور امی بھی، لہٰذا، نہ تمہیں اعتراض ہونا چاہئے نہ انہیں، جسے اعتراض ہے، اسی راضی کرو، یعنی قمر کو!"

"قمر کو چھوڑو، پہلے امی کی تو فکر کرو، کیا تم سمجھتی ہو، وہ

"آخر چاہتے کیا ہو تم؟"

"کہہ تو رہا ہوں شادی ——— ورنہ پھر جہنم!"

"اوہ توبہ، پھر وہی جہنم، پہلے پوری بات تو کر لو!"

"ہاں ہاں کہو!"

"تو تم تمرے محبت کرتے ہو؟"

"محبت نہیں عشق!"

"اس کے لئے مرنے کو تیار ہو؟"

"بے شک!"

"تم نے اس سے بات چیت کی تھی؟"

"کی تھی!"

"ہائے میرے اللہ پھر کیا ہوا؟"

"اس نے انکار کر دیا!"

"محبت سے؟"

"محبت سے بھی اور شادی سے بھی!"

"جب وہ تم سے محبت نہیں کرتی تو تم اس سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہو؟"

"میں اس سے شادی اس لئے کرنا چاہتا ہوں کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں!"

"کیا بولی وہ؟"

"بس انکار، صاف انکار، حالانکہ میں نے اسے بھی خودکشی

اختر نے پوری سنجیدگی کے ساتھ کہا،
"میں اتنا انتظار نہیں کر سکتا،"!
"اوئی میرے اللہ بھیا!"
"ایک ہفتہ سہی، اس سے زیادہ کی مہلت نہیں مل سکتی!"
"میرا بس ہو تو میں آج ہی کر دوں، لیکن امی کو راضی کرنا، کچھ ہنسی کھیل ہے بھیا جان الگ!"
"تم میرا ارادہ ابا اور اماں پر صاف صاف ظاہر کر دو، اور کہدو اب دو ہی راستے ہیں، آپ کے لئے، یا تو قمر کو بھیا کے ساتھ شادی کرنے پر راضی کیجئے، ورنہ بھیا سے ہاتھ دھو لیجئے، عمر بھر کیلئے، یوں صاف صاف کہو گی، فوراً فیصلہ ہو جائے گا،
سلطانہ، اختر کے منچلے پن سے واقف تھی، اس کی یہ باتیں سنکر وہ کافی گھبرا گئی تھی،
اس نے کہا،
"میں سب کچھ کر لوں گی، لیکن تم وقت نہ مقرر کرو،"
"یہ نہیں ہو سکتا!"
"میرے بھیا نہیں!"
یہ کہہ کر وہ رونے لگی، اختر کو یقین ہو گیا، تیر نشانہ پر بیٹھا ہے، وہ مطمئن ہو گیا، اس نے سلطانہ کے آنسو پونچھے اور کہا،
"اچھا تمہاری خاطر سے مانا جاتا ہوں، وقت نہیں مقرر

... راضی ہو جائیں گی، اس شادی پر!"

"اگر وہ کسی شریف لڑکی سے میری شادی کرنا چاہتی ہیں، تو ضرور، راضی ہو جائیں گی، اور اگر کوئی کمینی لڑکی انہوں نے تاک رکھی ہو، تو اور بات ہے!"

"شادی بیاہ میں خالی شرافت نہیں دیکھی جاتی بھیّا"!

"پھر کیا کیا دیکھا جاتا ہے؟"

"دولت، عزت، خاندان سب کچھ!"

"لیکن ان میں سے کوئی چیز بھی شرافت سے اونچی تو نہیں ہے ہر دولت مند کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ شریف ہو، جو لوگ معزز سمجھے جاتے ہیں، ان میں بہت سے کمینے بھی ہوتے ہیں، رہا خاندان، تو میں نے بڑے بڑے خاندانی لچوں اور شہدوں کو بھی دیکھا ہے! لہٰذا، میرا خیال تو یہی ہے کہ اصل چیز شرافت ہے!"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے، لیکن!_____"

"لیکن ویکن کچھ نہیں سلطانہ، میں تمہیں ۲۴ گھنٹہ کی مہلت دیتا ہوں، اس عرصہ میں تم، یہ مہم سر کر لو، امی کو بھی راضی کر لو، اور تم کو بھی اور نہ تم جانو اور تمہارا کام!"

سلطانہ نے سہم کر کہا:

"تم تو ہتھیلی پر سرسوں جما رہے ہو بھیّا، اتنا کٹھن کام کہیں ایک دن میں ہو سکتا ہے، اس میں تو مہینوں لگ جائیں گے، تب بھی ہو جائے تو غنیمت سمجھو!"

باب ۱۵

ہنگامہ

اختر خوش خوش ——— اب اسے اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا ——— باہر جا رہا تھا، اس نے دیکھا، سلطانہ، عائشہ بیگم کے پاس بیٹھی ہے، اسے یقین ہو گیا، آج قمر سے شادی کا مسئلہ ضرور طے ہو جائے گا، وہ ماں کی طرف دیکھ کر مسکرایا، سلطانہ کے سر پر پیار سے ایک ہلکی سی چپت لگائی، اور مسکراتا ہوا، گنگناتا ہوا، باہر چلا گیا،

وہ چلا گیا، تو سلطانہ نے کہا،

"بھیا کی شادی کب ہو گی آخر"؟

بیگم صاحبہ بولیں،

"میں خود اسی فکر میں گھلی جا رہی ہوں، لیکن تیرے باپ کچھ دھیان ہی نہیں دیتے!"

سلطانہ نے کہا،

"کتنی اچھی تھی قمر"

بیگم ذرا چونکیں اور بولیں،

"ہاں بڑی اچھی لڑکی تھی ——— تو بھی اچھی خاصی

کرتا، لیکن کام شروع کرنے کا وقت مقرر کئے دیتا ہوں، یعنی
دو تین روز کے اندر تم اماں سے گفتگو شروع کر دو!"
"ہاں میں اس کا وعدہ کرتی ہوں،!"

بیگم کو اور اچھلنے کا موقع ملا، وہ زور سے چیخیں،

"بچے آج ہو کیا گیا ہے، کیسی واہی تباہی باتیں کر رہی ہے، اختر قمر سے بیاہ کرنے کو کہہ رہا ہے؟"

قمر نے بڑے دھیرج سے کہا،

"وہ تو کہتے ہیں، شادی کروں گا، تو قمر سے نہیں تو کروں گا ہی نہیں!"

بیگم بر جھا کر بولیں،

"تیرے منہ میں خاک ——————"

سلطانہ نے بات کاٹ کر کہا،

"وہ تو خودکشی کر لینے کو کہتے ہیں!"

بیگم نے تصویر حیرت بنکر پوچھا،

"کیا؟ کیا کہہ رہی ہے تو!"

"وہ کہتے ہیں اگر قمر کے ساتھ میری شادی نہ ہوئی، تو میں زہر کھالوں گا، یا گولی مار کر جان دیدوں گا، بغیر قمر کے میں زندہ نہیں رہ سکتا!"

یہ سنکر بیگم پر سکتہ سا چھا گیا، ان کا جوش و خروش ختم ہو گیا، وہ ٹھنڈے لہجہ میں بولیں،

"کب کہہ رہا تھا؟"

"کل ہی کی تو بات ہے!"

"میں نہیں مانتی! جھوٹ!"

پاگل ہے لڑکی، اختر کی شادی کا ذکر کرتے، قمر کو یاد کرنے لگی ــــ"
سلطانہ بولی،
"اسی بات پر تو یاد آگئی وہ!"
بیگم نے حیرت سے کہا،
"کیا مطلب؟"
سلطانہ نے جھجکتے جھجکتے کہا،
"بھیا کا بیاہ اگر اسی سے ــــــــ"
وہ یہیں تک کہنے پائی تھی کہ عائشہ بیگم شیر کی طرح گرجیں۔
"زبان سنبھال لڑکی ــــــ کچھ دیوانی ہوئی ہے ــــ
اور لو، چلی ہیں موئی بھکارن کو میری بہو بنانے!"
سلطانہ نے ڈرتے ڈرتے کہا،
"بھکارن تھی، تو اس سے کیا ہوا؟ شریف کتنی ہے وہ!"
"بھاڑ میں جائے ایسی شرافت، لو کالگا دوں اس شرافت کو"
"تم تو خفا ہوگئیں اماں"!
"تو بات ہی ایسی کہتی ہے، میں کیا جو سنے گا، لعنت بھیجے گا
تجھ پر، کہیں اختر سن لے، تو وہ بھی ٹھوک دے تیری اوقات پر،
اور سنو!"
سلطانہ نے ذرا سنبھل کر کہا،
"ان کی تو یہ دلی تمنا ہے!"

"یعنی ؟"

"صاحبزادے نے ہاتھ پاؤں نکالنا شروع کر دیئے ہیں!"

"میں بالکل نہیں سمجھا!"

"تم تو اس وقت تک نہیں سمجھو گے، جب تک وہ موا اس کلموئی کو گھر میں ڈال نہیں لے گا!"

"کون موا؟ کون کلموئی؟"

"تمہارا اختر ——— سلطانہ کی طرف اشارہ کر کے ——— ان کی قمر، اور کون؟"

اب معاملہ کی سنجیدگی کا، خان بہادر کو احساس ہوا، انہوں نے کہا،

"صاف صاف کہو!"

بیگم صاحبہ بگڑ کر بولیں،

"تو کون سی پہیلی بجھا رہی ہوں، ... صاف صاف تو کہہ رہی ہوں صاحبزادے، قمر پہ ریجھے ہوئے ہیں، یہ ہے صاف صاف!"

خان بہادر صاحب بھی جلال میں آ گئے، بگڑ کر بولے،

"کون کہتا ہے!"

"پوچھ لو سلطانہ سے ——— یہی آئی ہیں، بھائی کی پیامی بنکر!"

خان بہادر صاحب نے غصہ کے ساتھ کہا،

"یہ ہرگز نہیں ہو سکتا!"

"میں جھوٹی ہوں، تو خود بھیا سے پوچھ لو!"

عائشہ بیگم کا ایک رنگ آرہا تھا، ایک جارہا تھا، ان کا بس چلتا، تو اپنی بوٹیاں نوچ لیتیں، انہوں نے کچھ دیر خاموش رہکر پھر پوچھا،

"سچ کہہ رہی ہے تو؟"

"الا قسم!"

بیگم صاحبہ پر پھر سکتہ سا طاری ہوگیا، اتنے میں کسی کام سے خان بہادر صاحب آئے، انہوں نے جو یہ سناٹا دیکھا، تو آکر بیٹھ گئے، پوچھا،

"کیا بات ہے؟"

بیگم کو پھر گرجنے اور برسنے کا موقع مل گیا، بولیں،

"کیا بتاؤں؟"

"کچھ تو!"

"کہہ رہی تھی لڑکے کی شادی کردو کہیں!"

"ہاں ٹھیک ہے، کئی مرتبہ کہہ چکی ہو — اور ہم غور بھی کر رہے ہیں!"

بیگم جل کر بولیں،

"آگ لگے، اس موئے غور پر ——————"

خان بہادر صاحب اس بے ساختہ حملہ سے گھبرا گئے، انہوں نے بڑے نرم لہجہ میں پوچھا،

"آخر ہوا کیا؟"

"وہی جو اس عمر میں سب لڑکے کرتے ہیں!"

خان بہادر صاحب گرجے،

"لیکن بیٹا، باپ کو ذلیل کر سکتا ہے، کیوں ٹھیک ہے نا؟"

اختر بولا،

"میں اگر ایسا کروں، تو مجھ سے بڑھ کر ننگ خاندان کون ہوگا"

"میں تمہیں فخر خاندان سمجھتا تھا، لیکن واقعی تم ننگ خاندان نکلے"!

اختر خاموش کھڑا رہا، خان بہادر صاحب پھر بولے،

"تمہیں معلوم ہونا چاہیئے، میں آن پر تمہیں بھی... قربان کر سکتا ہوں"

اختر بدستور خاموش تھا، خان بہادر صاحب پھر بولے،

"میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دے سکتا، کہ تم ایک ذلیل، اور آوارہ گرد چھوکری سے دل لگاؤ، اسے میری بہو بنانے کی کوشش کرو!"

اختر نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا، عائشہ بیگم بولیں،

"اے ہاں، اندھیر تو دیکھو، اور کبھی کسی سے نہیں، چلے ہیں ایک بھکارن سے بیاہ رچانے ——— جیسی روح ویسے فرشتے!"

اختر نے ماں کو بھی کوئی جواب نہیں دیا، خان بہادر صاحب، بیوی سے مخاطب ہوئے،

"میرا نام امجد حسین ہے، میرے فیصلہ کو دنیا کو کوئی طاقت نہیں بدل سکتی، اب یہ سوال کبھی نہیں اٹھنا چاہیئے"

"تو میں کب کہتی ہوں کہ ہو یہ!"

"کہاں ہے اختر؟"

"یہ لو، اب چلے ہیں، خان بہادری کا سکہ جانے، میں کہتی ہوں جوان لڑکا ہے، سختی کروگے، تو ہاتھ سے بے ہاتھ کا ہو جائے گا!"

"تو پیار کروں، شادی کر دوں اس کی قمر سے!"

"بھاڑ میں جائے قمر، میں یہ کب کہتی ہوں، بہلا پھسلا کے کہیں جلدی سے شادی کر دو اسکی، الا الا خیر صلا!"

خان بہادر صاحب کو، اور جلال آ گیا، انہوں نے کہا،

"میں اس کا باپ ہوں، بیٹا نہیں ہوں، میں جانتا ہوں، مجھے کیا کرنا چاہیئے ——— نالائق، ننگ خاندان ———

آخر وہ ہے کہاں؟"

"باہر گیا ہے ——— میری طبیعت ویسی پریشان ہے چیخ چیخ کر مجھے اور نہ دہلاؤ، تم باہر جا کے بیٹھو، جب وہ آئے گا، میں اسے تمہارے پاس بھیجدوں گی!"

شام کو اختر آیا، فوراً اس کی خان بہادر صاحب کے دربار میں طلبی ہوئی، ماں اور بہن گواہ کی حیثیت سے موجود تھیں، باپ بگڑے ہوئے تیوروں کے ساتھ پوچھا،

"سلطانہ نے تمہارے اور قمر کے بارے میں جو کچھ کہا ہے؟ سچ ہے!"

اختر نے ادب کے ساتھ کہا،

"بہن بھائی پر تہمت نہیں لگا سکتی!"

نہیں ہے!"

یہ خط پڑھ کر، سلطانہ رونے لگی، اور ماں کی آنکھوں سے بھی آنسو، برسنے لگے!

اختر اب بھی کچھ نہ بولا، خان بہادر نے کہا،

"اب تم جا سکتے ہو ——————"

اختر جانے لگا، تو انہوں نے پھر اسے مخاطب کیا،

"اور اگر تم اپنے فیصلہ پر قایم ہو تو اس گھر سے بھی جا سکتے ہو، یہاں رہو گے، تو تم پر میرا حکم چلے گا، یہ گھر چھوڑ دو گے، تو میں تمہارے معاملات میں مداخلت نہیں کروں گا، میں جانتا ہوں، تم بڑے قابل و فاضل ہو، جوان ہو، آزادی اور خود مختاری کو پسند کرتے ہو لیکن اس گھر میں صرف میری ہی مرضی چلے گی، کسی اور کی نہیں چل سکتی!"

اختر چلا گیا، اس کے جانے کے بعد، خان بہادر سے عائشہ بیگم نے کہا،

"کچھ بھی تو نہیں بولا، کتنا نیک ہے میرا بچہ ...."

تھوڑی دیر کے بعد، ماں بیٹی، دونوں اختر کے کمرہ میں، اسے تسکین و تسلی دینے اور تالیف قلب کرنے پہونچیں، لیکن وہاں اختر کا پتہ نہیں تھا، اتنے میں نصیبن آئی، اور اس نے ایک پرزہ سلطانہ کے ہاتھ پر لاکر رکھدیا،

"میں اس گھر سے رخصت ہوتا ہوں، میرے لئے اب یہی چارۂ کار رہ گیا تھا، خدا کے فضل سے جوان ہوں ہمت اور حوصلہ بھی رکھتا ہوں، اتنی سکت ہے مجھ میں کہ اپنی روزی آپ پیدا کرلوں، فی الحال شہر ہی میں رہوں گا، کہیں باہر جانے کا ارادہ

ہم تک کب ان کی بزم میں آتا تھا، دورِ جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو، شراب میں!

میری کشش کا تو یہ حال ہے کہ ایک ہی شہر میں رہتے ہو، اور ہفتوں صورت نہیں دکھاتے ——— مجھے تو کچھ دال میں کالا نظر آتا ہے!"

اختر نے اقرار کیا،

"ہاں بات کچھ ایسی ہی ہے!"

پھر اس نے، اپنا اور قمر کا، اپنا اور سلطانہ کا، اپنا اور گھر کے کورٹ مارشل کا سارا ماجرا کہہ سنایا، مظہر بڑے غور سے اس کی باتیں سنتا رہا، پھر بولا،

"شاباش،

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

میں تو تمہیں، ایک دلچسپ آدمی سمجھتا تھا، لیکن اب معلوم ہوا، تم میں مجاہد اور غازی بننے کی صلاحیت بھی ہے!"

"سبحان اللہ، یہ کیسے!"

"اماں، پانی پت سے بڑی لڑائی لڑ کے آئے ہو، اور پھر پوچھتے ہو! یہ کیسے؟ ایک معمولی چھوکری کے لئے گھر بار کو تج دینا کوئی معمولی کام ہے؟"

"میری پیٹھ پیچھے بھونکتے رہنا، اب یہ بتاؤ کیا کیا جائے؟"

"ہم سے کیا پوچھتے ہو، ہم تو اس کوچہ سے بالکل نابلد ہیں"

"تو سارے مرحلے مجھی کو طے کرنا ہوں گے، تم ذرا بھی میری

باب ۱۶

تلاش یار

اختر گھر سے نکلا، اور سیدھا، اپنے بچپن کے ساتھی، اور دوست مظہر کے پاس پہونچا، ان دونوں میں بڑی بے تکلفی اور یگانگت تھی، ساتھ کے کھیلے ہوئے، ساتھ کے پڑھے ہوئے، بے تکلف، ہم مذاق، مخلص اور ایک دوسرے کے جاں نثار، اختر نے اسی سال ایم اے، کا امتحان پاس کیا تھا، اور مظہر نے اسی سال ڈاکٹری کے امتحان میں، کامیابی حاصل کی تھی، اور یہیں شہر میں پریکٹیس کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا، مطب بھی یونہی تفریحاً کرتا تھا، ورنہ خدا نے کھانے پینے کو ویسے بھی بہت کچھ دے رکھا تھا،

رات کے وقت، وہ بھی رات گئے، بے سان و گمان، اختر اچانک مظہر کے ہاں جا دھمکا، اس نے کہا،

"خیریت تو ہے اس وقت کیسے؟"

اختر نے اپنے غم کو چھپاتے ہوئے، بے تکلفی کے لہجہ میں کہا،

"تمہاری کشش کھینچ لائی!"

مظہر نے ایک قہقہہ لگایا، اور کہا،

"ٹھنڈا تو عمر بھر نہیں پڑے گا، لیکن قمر رہتی کہاں ہے؟ اس کا پتہ تو چلانا ہی پڑیگا!"

"تو چلو میرے ساتھ"

"کہاں"؟

"پولیس چوکی، وہاں چل کے حلیہ لکھا دیں، کہ بڑی بڑی آنکھوں والی، لمبی لمبی زلفوں والی، گورے گورے مکھڑے والی، پیاری پیاری صورت والی، ایک نازنین گم ہوگئی ہے ——————"

"پاگل ہوئے ہو کیہہ!"

"تو چلو کسی اخبار کے دفتر میں چلیں۔۔۔۔۔"

"وہاں جاکر کیا کروگے؟"

"تلاش گم شدہ" کا اشتہار دیدیں گے، اور اعلان کردیں گے، کہ جو شخص قمر کو زندہ یا مردہ، ہمارے پاس پہونچادے گا، اسے پانچسو روپے نقد انعام دیا جائے گا،"

"پھر وہی مذاق!"

"اماں مذاق تم کر رہے ہو، یا میں کر رہا ہوں، معشوق کا پتہ نہیں، اور عشق میں مبتلا ہیں آپ؟ جو سنے گا، ہنسے گا، اس حماقت پر، جس سے کہوگے دیوانہ بنائیگا نہیں!"

"پھر کیا ہو؟"

"یہی تو سوال ہے!"

"اس سوال کو حل ہونا چاہیئے، ورنہ میں واقعی میں دیوانہ ہوجاؤنگا"

مدد نہیں کرو گے ؟"

"کیوں نہیں کروں گا، جو حکم دو گے وہ کروں گا، کہو تو اپنی گردن کاٹ کے رکھدوں تمہارے سامنے !"

اختر نے کہا،

"یہ وقت مذاق کا نہیں ہے ؟"

مظہر سنبھلا، اس نے کہا،

"اچھا کام کا سہی ——— پہلے یہ بتاؤ، قمر کا گھر کہاں ہے وہ رہتی کہاں ہے ؟ اب تو وہیں دھاوا بولنا ہے ؟"

اختر نے کہا،

اس کا گھر تو مجھے نہیں معلوم !"

مظہر نے فقرہ سر کیا،

"عشق کے زور میں گھر سے تو نکل آئے، لیکن یہ نہیں جانتے، دریار کہاں ہے ؟ کوچۂ دلدار کس طرف ہے ؟ آخر دھونی رما کے بیٹھو گے کہاں ؟ وہ سنگ در کہاں ہے جس پر اپنا سر پھوڑو گے ؟"

اختر نے مسکرا کر کہا،

"یہی تو مجھے نہیں معلوم" !

"تو کیا کلائمکس سے پہلے اس ڈرامہ کو ٹھپ کر دو گے ؟"

"کیا مطلب ؟"

"مطلب یہ کہ قمر کے گھر کا پتہ لگاؤ، ورنہ یہ عشق وشق ٹھنڈا پڑ جائے گا، دو چار روز میں !"

مظہر زنان خانہ میں چلا گیا، اور اختر مردانہ کمرے میں سو گیا، سویا تو گیا، اطمینان کے ساتھ، اگلی پچھلی باتوں کو سوچنے لگا، اسے گھر کے چھوڑ دینے کا ذرا بھی غم نہ تھا، فکر تھی تو یہ کہ جس کے لئے گھر چھوڑا ہے، اسے پاؤں کہاں سے؟ اسے بار بار اپنی حماقت پر غصہ آتا تھا، کہ اس نے باتوں باتوں میں کبھی قمر سے اس کے گھر کا پتہ کیوں نہ پوچھ لیا، اسے اپنی بے بسی پر بھی غصہ آ رہا تھا کہ وہ اسوقت کوتوال شہر کیوں نہ ہوا، کہ ابھی سارے پولیس کے آدمیوں کو، قمر کی تلاش میں دوڑا دیتا، اور یہی سوچتے سوچتے اسے نیند آ ہی گئی!

یہ الفاظ، کچھ ایسے انداز میں اختر نے کہے کہ مظہر بہت متاثر ہوا اس کی شوخی رخصت ہوگئی، اس نے سنجیدگی کے ساتھ کہا،

"گھبراتے کیوں ہو؟ مل جائے گی قمر"

"لیکن کس طرح؟"

"اب تمہارا کام ہی کیا ہے سوا آوارہ گردی کے دن بھر ڈھونڈو ایک ایک محلہ، ہر ہر گلی، چھان مارو، آخر ہے تو یہیں، کہیں نہ کہیں سراغ مل ہی جائے گا، جائے گی کہاں، ضرورت صرف استقلال اور پامردی کی ہے،

مل ہی جائے گی کبھی منزل لیکن اے اقبالؔ
کوئی دن اور ابھی بادیہ پیمائی کر!

ڈھونڈنے سے خدا مل جاتا ہے، تو قمر کیا چیز ہے!——
اماں ہاں، تم نے کھانا بھی تو نہیں کھایا ہوگا"؟

"نہیں اس وقت مجھے بھوک نہیں ہے!"

"نہ ہو، جب بھی تمہیں کھانا پڑے گا!"

یہ کہہ کر مظہر جلدی سے اندر گیا، اور تھوڑی دیر میں ملازم کے سر پر خوان رکھوائے ہوئے آگیا، اختر نے لاکھ لاکھ انکار کیا، لیکن مظہر کے انکار کے آگے اس کی ایک نہ چلی، اور بھوک نہ ہونے کے باوجود اسے دو چار لقمے کھانا ہی پڑے،

کھانے کے بعد، مظہر نے کہا،

"اب تم آرام کرو، رات زیادہ آگئی ہے، باقی باتیں صبح ہونگی!"

کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا، اور، اب اس پر مایوسی ... اور افسردگی کا رنگ غالب آنے لگا، پھر بھی اس نے ہمت نہیں ہاری، ہر روز، شام کو اور کبھی کبھی رات گئے، جب وہ مایوس و نامراد، واپس آتا، تو اس عزم کے ساتھ، کہ کل، اور زیادہ جوش و خروش کے ساتھ.... قمر کی تلاش کرے گا، اسی تلاش میں ساری عمر صرف کر دیگا، لیکن اس سے باز نہیں آئے گا،

ایک روز، حسب معمول وہ کھویا کھویا سا، پریشان، اور آشفتہ خاطر سا، قمر کی تلاش میں، غریبوں کی ایک بستی سے گزرا تو اتنے میں اس نے دیکھا کہ ایک خستہ اور شکستہ مکان سے نکل کر، قمر جلدی جلدی کسی طرف جا رہی ہے، وہ اس کے پیچھے پیچھے ہولیا، اور ایک نسبتہً خاموش اور سنسان مقام پر پہنچکر، اس نے قمر کا راستہ روک لیا،

قمر نے اسے دیکھا، اور اس کے بدن میں سنسنی سی دوڑنے لگی روز جسے یاد کر کر کے، وہ خون کے آنسو بہایا کرتی تھی، جس کی یاد کو وہ حاصل حیات سمجھ رہی تھی، جس کے لئے اس کا دل تڑپتا، اور مچلتا رہتا تھا، جسے دیکھنے کے لئے، اس کی آنکھیں بے چین رہتی تھیں... وہ نظروں کے سامنے کھڑا تھا، قریب تھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگیں، اور ضبط کا وہ بند ٹوٹ جائے، جسے اس نے بڑی احتیاط اور مضبوطی سے باندھا تھا، لیکن بہت جلد وہ اس کمزوری پر غالب آگئی اس نے ایسی نگاہوں سے اختر کو دیکھا، جن میں خشونت تھی، لیکن اختر نے ذرا بھی اس کی پرواہ نہ کی، اس نے پوچھا،

باب ۱۷

دید و شنید

اب واقعی اختر کا کام یہی رہ گیا تھا کہ وہ صبح اٹھتے ہی، منظہر کے گھر سے نکل جائے، اور دن بھر، قمر کی تلاش میں آوارہ گردی کرتا پھرے خان بہادر صاحب، اس کی نالائقی کے سبب بالکل بے تعلق ہو چکے تھے، وہ اس کا نام بھی سننا نہ چاہتے تھے، بلکہ وہ چاہتے تھے کچھ روز، اختر ٹھوکریں کھائے، پھر خود بخود سنبھل جائے گا، اور راہ راست پر آجائے گا، اسی لئے انہوں نے اسے واپس بلانے کی کوشش نہیں کی، یہ طرز عمل اختر کے لئے یکسوئی کا موجب ہوا، اور وہ اطمینان سے اپنی ساری توجہ قمر کی تلاش میں صرف کرنے لگا،

اختر نے شہر کا چپہ چپہ چھان مارا، لیکن اس کی لیلیٰ اسے نہ ملی وہ بغیر کسی وجہ کے تنگ و تاریک گلیوں میں جاتا، شہر کے دور دراز علاقوں کا گشت کرتا، ہر جھونپڑے میں جھانکتا، ہر خستہ اور بوسیدہ مکان کے سامنے پہروں اور گھنٹوں. کھڑا رہتا، کہ شاید قمر یہاں رہتی ہو، شاید قمر ادھر سے گذرے، شاید اس سے مڈبھیڑ ہو جائے، اور وہ اپنا دل نکال کر اس کے سامنے رکھدے، لیکن اس مٹر گشت

غریب ہوں، کل تک میں ایک خان بہادر کا ایک لڑکا تھا، آج ایک بے روزگار، اور فاقہ مست انسان ہوں!"

یہ الفاظ بڑے جوش کے ساتھ اختر نے ادا کئے، قمر حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگی، پھر بولی،

"خدا نہ کرے، غریب ہوں آپ کے دشمن!"

"میں سچ کہہ رہا ہوں قمر!"

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"میں غلط نہیں کہتا ——— میری امارت، اور تمہاری غریبی میں جنگ ہوئی، میں کچھ دیر تک دور سے کھڑا اس جنگ کا تماشہ دیکھتا رہا، پھر میں نے امارت کو لات ماردی"!

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے؟"

"سیدھی سی تو بات ہے، میں امیر رہ کر تمہیں نہیں حاصل کرسکتا تھا، لہٰذا، میں نے دولت مندی سے منہ موڑ لیا، اور اب غریب بنکر تمہارے سامنے کھڑا ہوں، پہلے میرے اور تمہارے درمیان، ایک آہنی دیوار حائل تھی، دولت و ثروت کی، اس دیوار کو میں نے توڑ دیا، اب میرے اور تمہارے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہے!"

قمر بدستور کھڑی ہوئی، حیرت سے اختر کا منہ تک رہی تھی اب اختر نے وہ سارے واقعات جو گھر میں پیش آئے تھے، بیان کردیئے اور یہ بھی بتادیا، کہ... وہ گھر سے قطع تعلق کرکے اپنے ایک دوست ڈاکٹر مظہر کے ہاں مقیم ہے، یہ سنکر قمر بہت متاثر ہوئی، اس نے

"تم کہاں جا رہی ہو؟"

"وہ رکھائی کے ساتھ بولی،

"آپ کو کیا، میں کہیں بھی جا رہی ہوں!"

یہ کہا، اور بے رخی کے ساتھ آگے بڑھی، اختر پھر سامنے آگیا، اور گویا ہوا،

"تم نہ جانے مجھے کیا سمجھ رہی ہو؟ حالانکہ میں اتنا برا نہیں ہوں جتنا تم نے مجھے سمجھ رکھا ہے!"

یہ درد بھرے بول سن کر، پھر قمر کا کلیجہ ہل گیا، اس کے لب تک یہ الفاظ آتے آتے رہ گئے، کہ میں نے اپنے دل کے مالک کے سوا تمہیں اور کچھ نہیں سمجھ رکھا ہے، اگر تم کچھ اور سمجھتے ہو، تو غلط فہمی میں مبتلا ہو لیکن یہ الفاظ اس کی زبان سے ادا نہ ہو سکے، زبان سے اگر اس نے کچھ کہا تو یہ،

"میں کب آپ کو برا کہتی ہوں،؟ ——— لیکن اچھے لوگ شریف بہو بیٹیوں کا راستہ روک کر نہیں کھڑے ہوا کرتے، انہیں چھیڑا نہیں کرتے، ان کی مجبوری، اور غریبی کو، اپنی امیری، اور طاقت کا نشانہ نہیں بنایا کرتے،!"

اختر نے ایک تاثر کے ساتھ کہا،

"میں اب امیر نہیں رہا، تمہاری طرح غریب اور مفلس ہوں!"

"اچھے لوگ، جھوٹ بھی نہیں بولا کرتے،"

"میں جھوٹ نہیں بولتا قمر، چند روز پہلے تک میں امیر تھا، آج

بہت دور ہے!"

قمر سمجھ گئی، اختر کیا کہے گا، لیکن اس نے پوچھا،

"یہ کیوں؟ اب کیا باقی ہے؟ جو آپ چاہتے تھے، وہ تو مل گیا آپکو!"

"ابھی بہت کچھ باقی ہے؟ ابھی الفاظ ملے ہیں، حقیقت نہیں ملی ہے!"

"آپنے تو وہ باتیں شروع کر دیں جو میری سمجھ سے باہر ہیں"

"تمہیں میری محبت کا اعتبار آگیا، اس کا بہت بہت شکریہ، لیکن ابھی مجھے اسدن کا انتظار ہے، جب مجھے تمہاری محبت کا یقین ہو جائے گا ..... میں تم سے محبت کرتا ہوں، تم تو محبت نہیں کرتیں!"

قمر نے فوراً جواب دیا،

"کیوں نہیں کرتی؟ یہ کیسے جانا آپنے؟"

اختر نے بیتابی کے ساتھ پوچھا،

"کرتی ہو تم مجھ سے محبت!"

"تالی اگر ایک ہاتھ سے نہیں بج سکتی، تو محبت کا تیر صرف ایک ہی دل کو کیسے چھید سکتا ہے؟"

اختر مسکرایا،

"اچھا یہ بات ہے!"

"اور آپ کیا سمجھ رہے تھے"؟

"میں تو ہمیشہ یہ سمجھتا رہا کہ تم مجھ سے نفرت کرتی ہو!"

"اے واہ! خوائی مخواہ!"

"پھر تم نے اپنی محبت چھپائی کیوں؟"

گلوگیر آواز میں کہا،

"ہائے میرے اللہ، یہ آپنے کیا کر لیا!"

اختر نے مسکرا کر جواب دیا،

"عشق ازیں بسیار کردست و کند!"

وہ بولی،

"میرے لئے آپنے اپنے تئیں کیوں مصیبت میں ڈال لیا، میری تو ساری زندگی کانٹوں میں الجھتے ہوئے بسر ہوئی ہے، لیکن آپنے میٹھے بھلے پھولوں کی سیج کیوں چھوڑ دی؟"

اختر نے آئین وفا کے ساتھ کہا،

"میں تم سے کھوٹی محبت نہیں کرتا، میری محبت کا تقاضہ یہی ہے کہ جو کچھ تم ہو، وہی میں بن جاؤں، میں تمہیں امیر نہ بنا سکا، خود غریب بن گیا!"

قمر کی آنکھوں میں آنسو لرز رہے تھے، اور اختر کہہ رہا تھا،

"کاش تم میری بن سکو، کاش تمہیں میری محبت کا اعتبار ہو جائے۔!"

اب قمر کے لئے ضبط و صبر سے کام لینا ناممکن ہو گیا، اس وقت وہ دل کی بات کو زبان تک آنے سے نہ روک سکی، اس نے ایک غمگین تبسم کے ساتھ کہا،

"آگیا اعتبار ——— اب تو آپ خوش ہوئے!"

"ہاں اب میں خوش ہوں، بہت خوش، لیکن اصلی خوشی مجھے

"تم پاگل ہو اچھی خاصی، میں کہتا ہوں، کوئی طاقت ہمیں ایک ہونے سے نہیں روک سکتی!"

"لیکن آپ مجھے بھول گئے ——— میں روک سکتی ہوں، روکونگی!"

اختر کو اچنبھا سا ہوا، اس نے پریشانی کے ساتھ پوچھا،

"کیا مطلب؟ یعنی؟"

"یعنی یہ کہ ہمارے دل ایک ہیں، اور ایک رہیں گے، لیکن ہم دونوں کبھی نہیں ایک ہو سکتے! یہ کبھی نہیں ہو سکتا!"

"کیا کبھی نہیں ہو سکتا؟"

قمر نے استقلال کے ساتھ کہا،

"وہی جو آپ چاہتے ہیں ——— شادی!"

اختر اور زیادہ حیران ہو گیا، اس نے پوچھا،

"کیوں؟"

"اس میں آپ کا نقصان ہے، آپ کی ذلت ہے، میں آپ کی گردن سب کے سامنے اونچی دیکھنا چاہتی ہوں، اپنی وجہ سے اسے نیچی نہیں ہونے دوں گی!"

اختر نے عاجز آ کر کہا،

"لاحول ولا قوۃ، یہ کیا کہے جا رہی ہو تم!"

وہ مسکرائی، اور بولی،

"میں چاہتی ہوں، ہر دل میں آپ کی عزت ہو، لیکن اپنے باعث میں آپ کو ذلیل نہ ہونے دونگی۔"

"محبت کے چھپانے میں جو مزہ ہے، وہ اس کے اظہار میں نہیں!"

"پھر آج اقرار کیوں کر لیا"؟

وہ ایک ادا کے ساتھ بولی،

"آپ کے اترے ہوئے چہرہ کو خوش دیکھنے کیلئے!"

اختر نے بڑی خوشی کے ساتھ کہا،

"اب میں مطمئن ہو گیا"

وہ بولی،

"یہی میں چاہتی تھی، اسی لئے مجھے دل کی بات زبان تک لانی پڑی"

اختر نے عاشقانہ ولولہ کے ساتھ کہا،

"اب ہمیں دنیا کی کوئی طاقت ایک ہونے سے نہیں روک سکتی!"

یہ الفاظ سنکر قمر کا شگفتہ چہرہ پھر افسردہ ہو گیا، اس نے سوچا گفتگو غلط رخ پر جا رہی ہے، اسی صفائی اور خوشدلی کے ساتھ باتیں ہوتی رہیں، تو..... سارے اصول ٹوٹ جائیں گے، اس نے متانت کے ساتھ کہا،

"کیا کہا آپ نے؟"

اختر نے اسی جوش کے ساتھ جواب دیا،

"اب ہمیں دنیا کی کوئی طاقت ایک دوسرے جدا نہیں کر سکتی!"

"یہ کیسے سمجھ لیا آپ نے؟"

"کچھ غلط سمجھا، میں نے؟"

"بالکل غلط!"

یہ کہتے کہتے، قمر کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں، اور آواز گلوگیر ہو گئی، اختر کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے، اس نے بیتابی کے ساتھ کہا

"تم کیسی عجیب باتیں کر رہی ہو قمر؟"

"میں وہی کہہ رہی ہوں، جو مجھے کہنا چاہیئے، میں وہی کر رہی ہوں جو میری محبت کا تقاضہ ہے!"

اختر کچھ دیر تک خاموش رہا، پھر بولا،

"تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟"

"کرتی ہوں!"

"لیکن میرے قریب نہیں آنا چاہتیں کیوں؟"

"محبت دل کرتا ہے، جسم نہیں کرتا ——— جسم دور ہے اور دور رہے گا، دل قریب ہے اور کبھی دور نہیں ہو سکتا!"

اختر نے جوش کے عالم میں قمر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، اور بیتابی سے مغلوب ہو کر کہا،

"قمر، تم مجھے دیوانہ بنا دو گی"

قمر نے بڑی متانت، اور ملائمت کے ساتھ کہا،

"جس دیوانگی میں جوش ہوتا ہے، وہ بہت جلد اچھی ہو جاتی ہے جس دیوانگی میں سکون ہوتا ہے، وہ کبھی نہیں اچھی ہوتی، اپنا حال آپ جانیں، لیکن میری دیوانگی، پرسکون ہے، پُر جوش نہیں ———"

اس عجیب و غریب فلسفہ کا... جواب اختر سوچ ہی رہا تھا، کہ اس کے کان میں آواز آئی،

"تم سے شادی کر کے میں ذلیل ہو جاؤں گا؟"

"اور کیا، لوگ کیا کہیں گے؟ یہی نا کہ ایک بھکارن کا دامن پکڑ کر، اپنے دامن پر آپ نے دھبہ ڈال لیا،"

"بکنے دو لوگوں کو!"

"کیسے بکنے دوں ——— کان کھول کر سن لیجئے، یہ کبھی نہیں ہو سکے گا!"

"قمر، یہ تم کہہ رہی ہو؟"

وہ ایک خاص انداز کے ساتھ جو وقار نسوانی کا ایک عجیب و غریب مظہر تھا، بولی،

"ہاں میں کہہ رہی ہوں ——— میں اب آپ سے چھپاتی نہیں، صاف صاف کہتی ہوں، آپ سے مجھے محبت ہے اور زندگی بھر رہے گی، ——— یہ دیکھئے اپنی تصویر، یہ میرے پاس ہر وقت رہتی ہے، یہ میرے دل کی طاقت ہے، اور ہمیشہ بنی رہے گی، لیکن میں آپ کی بنکر، آپ کو کہیں کا نہ رکھوں، یہ نہیں ہو سکتا!"

"قمر! ——— قمر!"

وہ بولی،

"آپ گھر واپس جائیے، خان بہادر صاحب اور بیگم صاحبہ کو منا لیجئے، جو وہ کہیں وہی کیجئے، شادی اس سے کیجئے، جس سے ان کی مرضی ہو، مجھ سے صرف محبت کیجئے ——— دل میں ——— جس طرح میں کر رہی ہوں، اور کرتی رہوں گی، زندگی بھر!"

باب ۱۸

شناسائی

ایک روز اختر، قمر کے گھر کا چکر کاٹ رہا تھا، اس امید میں کہ شاید وہ نکلے، اور اس سے دو چار باتوں کا موقع مل جائے، بڑی دیر ہو گئی، لیکن قمر آتی جاتی دکھائی نہیں دی، وہ مایوس ہو کر واپس جا رہا تھا، کہ اتنے میں اس نے، ایک اندھے اور لنگڑے شخص کو، دیکھا کہ وہ کہیں سے آ رہا ہے، کیلے کے چھلکے پر اس کا پاؤں پڑا، وہ رپٹ کر گرا، اور لہولہان ہو گیا، اختر نے فوراً بڑھ کر اسے اٹھایا، ماتھے سے خون بہ رہا تھا، اسے اپنے رومال سے صاف کیا، اور باندھا، پھر کہا،

"چلئے میں آپ کو آپ کے گھر تک پہونچا دوں!"

وہ اسے سہارا دیتا ہوا، آگے بڑھا، اور اندھے کی رہنمائی میں، اسی گھر کے اندر، داخل ہو گیا، جہاں سے قمر نکلا کرتی تھی، یہ امدو تھا، امدو، اختر کی انسانیت نوازی، اور شرافت کا شکریہ ادا کر رہا تھا، کہ قمر کلثوم کے گھر سے اپنے گھر میں، آئی، اور اختر کو دیکھ کر محو حیرت ہو گئی، اس نے اپنے باپ کی طرف دھیان بھی نہ دیا اختر کو یہاں موجود دیکھ کر اسے شبہ ہوا کہ یہ حضرت اب اتنے بڑھ

"اب میں جاتی ہوں!"

یہ کہہ کر قمر نے نظر اوپر اٹھائی تو دیکھا، اختر کی بڑی بڑی آنکھوں میں، آنسوؤں کے بڑے بڑے قطرے جھلک رہے ہیں، یہ دیکھ کر اس کا دل بھی بھر آیا، اور آنکھیں بھی ڈبڈبا آئیں، اس نے سوچا، اگر ایک لمحہ بھی اب میں یہاں ٹھہر گئی، تو اختر اپنی ہر بات مجھ سے منوا لے گا، اور میں قوت مدافعت سے بالکل محروم ہو چکی ہوں گی، یہ سوچ کر اس نے اختر کے جواب کا بھی انتظار نہیں کیا، اور خاموشی کے ساتھ، اپنے دامن میں جذبات کا طوفان سمیٹے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

اختر اسے روک نہ سکا، اور بڑی دیر تک وہیں کھڑا رہا، پھر وہ بھی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا، اپنی قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گیا!

پھر وہ قمر کی طرف مخاطب ہوا،

"ان کی خاطر تو ہم کیا کریں گے، لیکن بیٹا چائے تو پلاؤ انہیں!"

قمر بولی،

"اچھا بابا، ابھی لائی!"

اور یہ کہہ کر وہ جھپک کر، خوشی خوشی چائے بنانے کیلئے اٹھی، اختر دل میں بہت خوش تھا، اپنی اس رسائی پر، اور ابھی وہ یہاں سے جانا بھی نہیں چاہتا تھا لیکن اس نے کہا،

"اس تکلیف کی کیا ضرورت ہے؟ اور اب مجھے دیر بھی ہو رہی ہے!"

قمر نے، اپنے باپ کی موجودگی میں، پورے اطمینان سے نظر بھر کر اختر کو دیکھا، اور کہا،

"چائے آپ کو پینی پڑے گی!"

اختر نے کہا،

"بہتر ہے پی لوں گا!"

امدو نے سوچا، کتنا نیک، سعید، اور بھولا بھالا ہے یہ شخص میری لونڈیا کی ڈانٹ سے ڈر گیا، ابھی تو چائے پینے سے انکار کر رہا تھا، اور اب راضی ہو گیا، وہ مسکرایا اور اس نے کہا،

"بیٹھو میاں، ابھی چائے بنی جاتی ہے، ——— جا بیٹی جلدی سے بنا لا.....!"

قمر دوسرے کمرہ میں چائے بنانے جا چکی تھی، اس نے باپ کے یہ الفاظ سنے بھی نہیں، وہ بڑے ذوق شوق سے اختر کے لئے چائے

گئے ہیں کہ یہاں تک پہونچنے لگے، اس نے سوچا کہ گربہ کشتن روز اول کے اصول پر عمل کرے، اس نے ذرا تیکھے انداز میں کہا،

"آپ یہاں کیسے آئے؟"

اختر کوئی جواب نہ دے پایا تھا کہ امدو نے کہا،

"بیٹا، میں گر پڑا تھا، اگر یہ نہ ہوتے تو نہ جانے میری کیا حالت ہوتی، دیکھ کتنا سارا خون نکل گیا، میرے ماتھے سے، انہوں نے اسے صاف کیا، اور رومال کی پٹی باندھ دی، اب درد تو نہیں ہے لیکن کمزوری... معلوم ہو رہی ہے!"

قمر فوراً باپ کے پاس آئی، اس کی حالت دیکھی، اور سمجھ گئی اصل واقعہ کیا ہے؟........ دل میں، وہ بہت نادم ہوئی کہ اپنے محبوب اور محسن کے خلاف وہ کیا سمجھ رہی تھی، اور اصل واقعہ کیا تھا اس نے شرماتے ہوئے کہا،

"آپ نے بڑا احسان کیا ہم پر!"

امدو بولا،

"ہاں بیٹی، بڑا احسان کیا ہے انہوں نے ہم پر"!

اختر نے تکلف کرتے ہوئے کہا،

"آپ مجھے شرمندہ نہ کیجئے، میں تو آپ کا خادم ہوں،——

——اچھا اب اجازت دیجئے!"

امدو نے کہا،

"چلے جانا بیٹا، ایسی جلدی کیا ہے!"

"ضرور آؤں گا، آپ سے تو اتنی ہی دیر میں مجھے ایسا اُنس ہو گیا ہے، جیسے اپنے کسی بزرگ سے!"

امدو، اختر کی شرافت کا مزہ لینے لگا، تمر اسے دروازہ تک پہونچانے آئی، اور جب اس نے باہر قدم نکالا، تو آہستہ سے بولی،

"باتیں بنانا کوئی آپ سے سیکھ لے، ایک ہی ملاقات میں بابا کو بزرگ تک بنا لیا اپنا"!

وہ مسکراتا ہوا، نکلا چلا گیا،

بنا رہی تھی، اور ہلکے ہلکے سروں میں ایک گیت گا رہی تھی، اس وقت وہ بہت خوش تھی، وہ مصلحتہً اس کی روادار نہیں تھی، کہ اختر اس کے گھر آئے جائے، لیکن آج اس نے اس گھر میں آنے کا استحقاق پیدا کر لیا تھا، اب وہ اسے آنے سے نہیں روک سکتی تھی، وہ اپنے عاشق اور محبوب کی آمد پر قدغن لگا سکتی تھی، لیکن اپنے باپ کے محسن کے لئے تو گھر کے دروازے کھولنے پر مجبور تھی،

وہ بڑے سلیقہ سے ایک کشتی میں چائے، بسکٹ، اور تھوڑی سی دال موٹھ رکھ کر لائی، ایک پیالی اس نے باپ کی طرف بڑھا دی، اور کشتی اختر کے سامنے رکھ دی، اختر اس وقت کچھ کھویا ہوا سا تھا، اس کی نظریں قمر کے چہرے پر تھیں، اور دل عشق کے غم میں ڈوبا ہوا تھا، قمر نے، ایک جاں نواز تبسم کے ساتھ کہا،

"چائے پیجئے!"

اختر چونکا، اس نے کہا،

"تم!——— آپ نہیں پیجئے گا!"

وہ مسکرائی،

"جی نہیں!"

اختر چائے پینے لگا، چائے پینے کے بعد، کچھ دیر وہ اور بیٹھا، اور پھر اس نے اجازت چاہی، امدو نے کہا،

"جاؤ بیٹا، لیکن آیا کرنا کبھی کبھی!"

اختر نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ کہا،

بھری، اور کہا،
"کیا بتائیں بھئی!"
"کچھ تو!"
"ہنوز دلی دوراست!"
"یعنی؟"
"اقرار بھی ہے، انکار بھی ہے!"
"یار تم تو پہیلیاں بجھوا رہے ہو، اچھی خاصی!"
"یہی تو مصیبت خود میرے ساتھ بھی ہے"
"ذرا کھل کے کہو!"
"محبت کا اقرار ہے، شادی سے انکار ہے!"
مظہر نے داڑھی بناتے بناتے ہاتھ روک لیا، اور کہا،
"قائل ہوگیا، خدا کی قسم!"
"کس چیز کے قائل ہوگئے؟"
"اس چھوکری کی ذہانت کا!"
"ذہانت"؟
"اور کیا، کس صفائی سے بے وقوف بنایا ہے میرے یار کو"
"یہ نہ کہو، مظہر، تم قمر کو جانتے نہیں"
"یہی تو غلط فہمی ہے حضور کو ——— بندہ نواز میں اب قمر کو خوب جان گیا، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ تمہیں بھی خوب پہچان گئی ہے"

باب ۱۹

پر لطف باتیں

مظہر بیٹھا ہوا، آئینہ کے سامنے داڑھی بنا رہا تھا، اختر اچکن پہن کر، باہر جانے کی تیاری کر رہا تھا، مظہر نے بے تکلفی کے ساتھ دریافت کیا،

"کہاں چلے سرکار؟"

"کہیں نہیں!"

"صاف صاف کیوں نہیں کہتے، بلاکشان محبت بہ کوئے یار روند، وہیں قمر کے گھر کا طواف کرنے جا رہے ہو گے!"

"اچھا بھائی یہی سہی، پیچھا تو چھوڑو کسی طرح!"

مظہر نے اختر کو پھر ٹوکا،

"اماں ایک بات تو بتاؤ!"

اختر رک گیا،

"فرمایئے"!

"اب معاملہ ہے کس منزل پر؟"

اختر جاتے جاتے کرسی پر بیٹھ گیا، اس نے ایک ٹھنڈی سانس

"پھر تو یہ چھوکری کوئی معمولی لڑکی نہیں معلوم ہوتی!"
اب اختر بھی موج میں آگیا تھا، مسکراتا ہوا بولا،
"میری پسند ہمیشہ غیر معمولی ہوتی ہے جناب!"
"بس تو اپنی پسند پہ ناز کرو، اور زندگی بھر روؤ منہ ڈھانپ کے!"
"یہ کیوں؟"
"خالی خولی محبت کرتے رہو، اس سے اگر بڑھے تو شرارت کی بات ہے!"
اختر مسکرایا، اس نے کہا،
"یہ تو ابتدا ہے، کیا ضرور ہے کہ انجام بھی یہی ہو، محبت کا اقرار تو کرا لیا میں نے، اب شادی کا مسئلہ بھی طے ہو جائیگا کسی دن،
راہ پر ان کو لگا لائے تو ہیں باتوں میں!
اور کھل کھیلیں گے دو چار ملاقاتوں میں!
مظہر نے عارفانہ انداز میں گردن ہلا کر منہ بناتے ہوئے کہا:
"مشکل ہے!"
اختر جوش کے عالم میں بولا،
مشکلے نیست کہ آساں نہ شود
مرد باید کہ ہراساں نہ شود
—— دیکھ لینا یہ مشکل بھی ایک نہ ایک روز میں حل کر لوں گا!"
پھر اختر نے، مظہر کو، قمر کے ہاں جانے کی، وہاں چائے پینے کی اور اس کے باپ کی طرف سے آئندہ آنے کی درخواست کرنے کی بھی

"یہ آپنے کس طرح سمجھا کہ وہ مجھے بے وقوف بنا رہی ہے؟"

"محبت کا اقرار ہے، شادی سے انکار ہے، یہی کہہ رہے ہو نا؟"

"ہاں، یہی کہہ رہا ہوں پھر؟"

"اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہوا، کہ گھر بار تمہارا، لیکن کوٹھری کو ہاتھ نہ لگانا!"

یہ کہہ کر مظہر نے ایک زوردار قہقہہ لگایا، اختر بھی ہنس پڑا، اس نے کہا،

"تم شرارت سے کبھی باز نہیں آتے!"

"آپنے ذرا پوچھا تو ہوتا کہ اس فلسفہ سے مقصد کیا ہے بیگم صاحبہ کا"

"پوچھا تھا"!

"کیا فرمایا؟"

"ارشاد ہوا، ہم تجھ سے محبت کرتے ہیں، شادی نہیں کر سکتے محبت ہمیشہ کرتے رہیں گے، شادی کبھی نہیں کریں گے، اگر ہم نے تجھ سے شادی کر لی، تو خاندان بھر میں تو ذلیل ہو جائے گا، اور اسے ہم گوارا نہیں کر سکتے، لہٰذا تو محبت پر قناعت کر، اور شادی کا خیال اپنے دل سے نکالدے!"

یہ باتیں سنکر، مظہر ذرا چونکتا ہوا، وہ اسی حالت میں آکر، اختر کے پاس دوسری کرسی پر بیٹھ گیا، اس نے کہا،

"اماں سچ"؟

"جھوٹ بولنے کی مجھے کیا ضرورت ہے؟"

باب ۲۰

درِ یار

اختر اب بے روک ٹوک، امدو کے گھر آنے جانے لگا تھا، اس کا آنا، امدو اور قمر کے لئے نشاط و مسرت، کا سبب ہوتا تھا، قمر اس کے انتظار میں گھڑیاں گنا کرتی تھی، اب وہ گھر سے چل چکے ہوں گے، اب وہ راستہ میں ہوں گے، بس وہ آتے ہی ہوں گے، وہ آئیں گے، اور میں انہیں دیکھوں گی، دیکھتی رہوں گی، جی چاہتا ہے، ہر وقت انہیں دیکھا کروں، ان کی میٹھی میٹھی اور پیاری پیاری باتیں سنا کروں، وہ مسکراتے ہیں تو ان کے ہونٹ کتنے پیارے لگتے ہیں، وہ ہنستے ہیں، تو کیسے اچھے دکھائی دیتے ہیں، وہ باتیں کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے پھول جھڑ رہے ہیں ان کے منہ سے، جامہ زیب بھی کتنے ہیں، کوٹ پتلون پہن لیں تو صاحب بہادر معلوم ہوں، انگرکھا اور چوڑی دار پاجامہ، اور دوپلی ٹوپی پہن لیں تو نواب زادے دکھائی دیں، علی گڑھ تراش کا پاجامہ اور شیروانی پہن کر تو وہ ایسے بھلے لگتے ہیں، کہ جی چاہتا ہے آنکھوں میں بٹھال لے انہیں

یہ سوچتے سوچتے وہ سوچنے لگتی، میں دل سے انہیں چاہتی ہوں، لیکن ان کی بن نہیں سکتی، ان سے دور رہوں، اسی میں

ساری کیفیت بتا دی، اور کہا،

"اب بتاؤ، کیا کہتے ہو؟ مستقبل تاریک ہے یا روشن؟"

"کیوں نہ ہو بھائی، روشن ہی ہے، بھلا چاند (قمر) تارے (اختر) کو کون تاریک کہہ سکتا ہے؟ یہ دونوں نہوں، تو اندھیری رات میں کچھ سجھائی نہ دے!"

اس کی ضرورت نہیں، اور ایک انکار وہ ہے کہ انکار کرنے کے بجائے منہ پر گھونسہ کھینچ مارو، اس نے اس بری طرح بیچارہ کو جھاڑا، کہ وہ منہ دیکھتا رہ گیا، کچھ بھی تو نہ بولا، اور چپ چاپ کپڑا واپس لے کر چلا گیا، یہ خودداری نہیں بدتمیزی سی ہے، لیکن کروں کیا، اکلوتی، اور لاڈلی لڑکی ہے، کچھ کہتے ہوئے بھی تو ڈرتا ہوں، ذرا میں نے کچھ کہا، اور اس نے رو رو کے جل تھل ایک کیا، کسی وقت سمجھا دوں گا، کہ ذرا آدمیت سیکھے،

اور اختر، صرف اس امید پر جی رہا تھا، کہ،

جذبۂ دل جو سلامت ہے تو انشاء اللہ
کھنچے دھاگے میں چلے آئیں گے سرکار بندھے

اسے یقین تھا، اس کی محبت رنگ لائے بغیر نہیں رہے گی، قمر کا سخت دل نرم ہوگا، اس کا انکار اقرار سے بدلے گا، اس کی ضد اطاعت کی صورت اختیار کرلے گی، لیکن فوراً ہی اسے یہ بھی یاد آجاتا کہ اقرار محبت کرنے کے باوجود، وہ ابتک اپنی رائے پر سختی سے قایم ہے، ملتی ہے لیکن پگھلتی نہیں، پرسوں شلوار کے کپڑے کا جو واقعہ پیش آیا، وہ دل پر تیر بنکر لگا تھا، اور تیر چلانے والے کو پتہ بھی نہیں کہ کیا گزر گئی دل پر، خیر، کچھ بھی ہو،

دے وہ جسقدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالیں گے

پھر دفعتہً اس نے گھڑی دیکھی، اور، اوہو وقت ہوگیا، کہہ کر اٹھا کپڑے بدلے، اور پہونچ گیا دریا پر،

قمر ابتک اس کے انتظار میں، سہما اشتیاق و انتظار بنی بیٹھی تھی

آہٹ پہ کان، در پہ نظر تھی کہ ناگہاں

میری زندگی ہے، چکور کے لئے یہی بہت ہے کہ وہ چاند کا طواف کیا کرے، اور پھر سوچنے لگتی، یا اللہ، وہ ابتک آئے کیوں نہیں؟ یہاں آکر وہ گھنٹوں بیٹھتے ہیں، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، پل بھر بیٹھے، آئے، اور چلے گئے، کیا آئے، اور کیا گئے ——————"

اور، امدو گو زبان سے زیادہ بیتابی کا اظہار نہ کرتا، لیکن وہ بھی دل ہی دل میں، اس کی آمد کا انتظار کیا کرتا تھا، اسے اختر کی باتوں میں بھی مزہ آتا تھا، اور اس کی شخصیت بھی اسے بہت پسند تھی، وہ اکثر سوچا کرتا تھا، اس زمانہ کے نوجوان، زندگی کا مفہوم یہی سمجھتے ہیں، کہ موج اڑائیں مزہ کریں، عیش وعشرت کی زندگی بسر کریں، نہ کسی کے دکھ کے شریک نہ کسی کی مصیبت سے رنجور، لیکن یہ ایسا نوجوان ہے، جو جوانی میں بھی بوڑھا ہے، یہ اندھوں کی خدمت کرتا ہے، اپاہجوں کو گلے سے لگاتا ہے، دکھیاروں کی سیوا کرتا ہے، اسے سینما میں وہ مزہ نہیں آتا، جو غریبوں کے گھر بیٹھنے میں آتا ہے، کتنا شریف، کتنا نیک، اور کتنا بڑا انسان ہے، یہ، میں اس کا کون ہوتا ہوں بھلا، لیکن اس کی خدمت، اور خاطر داری دیکھ کر... محسوس کرتا ہوں، اگر میرا کوئی لڑکا ہوتا، تو وہ بھی اس سے زیادہ کیا کرتا جو یہ غیر، کر رہا ہے، قمر بھی کتنی بادلی ہے، پرسوں بیچارہ اس کے لئے، ایک شلوار کا کپڑا لے آیا، تو کتنی بے رخی اور بے مروتی سے واپس کیا ہے کہ مجھے بھی برا لگ گیا، ہم غریب رہ کر بھی کسی کا احسان نہ لیں، یہی ہماری شان ہے، لیکن انکار انکار میں بھی تو فرق ہے، ایک انکار یہ ہے کہ بھئی بھلمنساہت کے ساتھ کہدو، آپ کی مہربانی کا شکریہ، لیکن ہمیں

"یہ تو میری پرانی عادت ہے!"

کچھ اس بے ساختگی سے اختر نے یہ بات کہی کہ قمر کو ہنسی آگئی،

اس نے کہا،

"اگر بابا نے یہ باتیں سن لیں!"

اختر نے کہا،

"پھر تو مشکل بہت جلد آسان ہو جائے گی؟"

"کون سی مشکل پیش آگئی آپ کو؟"

"ہے ایک مشکل، لیکن اسے تم آسان نہیں کر سکتیں، وہی کرینگے!"

"اسی کو تو پوچھ رہی ہوں!"

"کہدوں گا تو خفا ہو جاؤ گی، خواہ مخواہ اور نہیں تو!"

"میں تو سن کے رہوں گی!"

"خفا تو نہیں ہو گی!"

"خواہ مخواہ خفا ہوں گی، کہئے تو!"

اختر نے سوچا، اب دل کی بات زبان پر آ ہی جانی چاہیئے،

اس نے کہا،

"تمہیں مانگ لوں گا ان سے!"

قمر کی مسکراہٹ رخصت ہو گئی، اس نے کہا،

"یہ خیال نکال دیجئے دل سے!"

"دل نکل سکتا ہے، سینہ سے لیکن یہ خیال دل سے نہیں نکل سکتا!"

"آپ کو میرے کڑھانے اور جلانے میں مزہ کیوں آتا ہے؟ آپ میرے

جب وہ آگیا، تو اس طرح ملی کہ گویا کوئی خاص خوشی کی بات نہیں ہے
دل قابو سے باہر ہوا جا رہا تھا،... آنکھیں کہہ رہی تھیں، تم آگئے بیٹھو، لیکن،
حد ادب کے اندر رہنا، میرے تمہارے درمیان جو سمجھوتہ ہو چکا ہے، اس پر
قائم رہنا، مجھ سے اس کی توقع نہ رکھنا، کہ میں اپنا فیصلہ بدل دوں گی،
میری محبت تمہیں مل گئی، لیکن تم مجھے نہیں پا سکتے، اختران نظروں کا مطلب
سمجھتا تھا، لیکن، آنکھوں آنکھوں میں وہ بھی کہہ دیتا تھا، تمہاری طرح میں
بھی اپنے فیصلہ پر قائم ہوں، لیکن میرا فیصلہ تمہارے فیصلہ سے مختلف ہے تم
محبت کر کے الگ ہو جانا چاہتی ہو، میں محبت کر کے تمہیں اپنا لینا چاہتا ہوں،
آزادی رائے کے اس زمانہ میں تم پر کوئی پابندی تو نہیں عاید کی جا سکتی
لیکن میری آزادی رائے پر بھی تمہیں پابندی عاید کرنے کا کوئی حق نہیں ہے
دونوں آنکھوں آنکھوں میں لڑتے، لیکن منہ سے دونوں کے پھول جھڑتے
گویا دونوں میں کوئی اختلاف ہی نہیں ہے،

آج جب وہ آیا، تو اس نے آتے ہی کہا،

"گھڑیاں گنا کرتا ہوں، یہاں آنے کے لئے ——— کہیں جی
ہی نہیں لگتا!"

قمر رکتے رکتے بولی،

"آخر اس گھر میں ایسی کون سی کشش ہے،"؟

"یہ بھی خوب سوال کیا تم نے ——— دریا پھر دریا ہے!"

قمر کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں، اس نے کہا،

"پھر آپ بہکے؟"

نادم ہوا، اس نے محسوس کیا، قمر جلدی راضی نہیں ہو سکتی، ممکن ہے اس کے راضی کرنے میں ایک عمر صرف ہو جائے، لیکن جو کچھ بھی ہو، جب تک وہ راضی نہ ہو جائے، امدو سے اس کا ذکر کسی طرح مناسب نہیں ہے،

اس نے قمر کو تسکین دیتے ہوئے کہا،

"تم تو خفا ہو گئیں، میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا!"

قمر نے شکوہ سنج انداز میں کہا،

"اچھا مذاق ہے آپ کا، کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری!"

اختر نے کہا،

"قمر تم نے بڑی سخت مصیبت میں مجھے ڈالدیا ہے، تمہارے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا، اور تم میری بننے پر تیار نہیں ہوتیں، لیکن میں تمہیں خفا نہیں کرنا چاہتا، وعدہ کرتا ہوں آئندہ ایسی بات مذاق میں بھی نہیں کہوں گا، خواہ میرے دل پر قیامت ہی کیوں نہ گزر جائے!"

قمر سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی، وہ اب تک مضمحل اور افسردہ تھی،

اس کا یہ رنگ دیکھ کر اختر نے کہا،

"اب تو خوش ہو جاؤ، اب تو میں وعدہ کر رہا ہوں!"

قمر نے کہا،

"میں آپ سے خفا نہیں ہو سکتی، دل جسکو چاہتا ہے، اس سے خفا نہیں ہو سکتا، لیکن میں ایک فیصلہ کر چکی ہوں، اور اس فیصلہ پر قایم رہنا چاہتی ہوں، آپ اگر میری مدد نہیں کر سکتے، تو مجھے نئی نئی پریشانیوں میں تو مبتلا نہ کیجئے!"

دل کے تاروں کو چھیڑتے کیوں رہتے ہیں؟ آپ وہ بات کیوں کہتے ہیں، جو قیامت تک نہیں ہو سکتی، ——— میرے کمزور دل پر آپ نے اتنا بوجھ ڈال دیا ہے کہ وہ اسے اٹھا نہیں سکتا ہے، مجھے ڈر لگتا ہے، کہیں وہ ہمت نہ ہار جائے، چلتے چلتے رک نہ جائے، مجھے اپنی زندگی کی پروا نہیں، لیکن میں اپنے اندھے اور اپاہج باپ کے لئے زندہ رہنا چاہتی ہوں، آپ مجھ پر رحم نہیں کرتے نہ کریئے، لیکن ایک بوڑھے، اور اندھے پر تو ترس کھایئے!'

قمر کی آنکھوں میں یہ باتیں کرتے کرتے آنسو آ گئے، وہ دل و جان سے اختر کو چاہتی تھی، لیکن دل و جان سے زیادہ اختر کی عزت کو چاہتی تھی اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اختر کی شریک حیات نہیں بن سکتی، اور اس فیصلہ کو توڑنے کی اختر برابر کوشش کرتا رہتا تھا، آج اس نے ایسی بات کہہ دی تھی، کہ اسے اندیشہ پیدا ہونے لگا تھا، اگر واقعی اس نے امدو سے یہ ذکر چھیڑ دیا، تو معاملہ دوسری صورت اختیار کرے گا، اور پھر اس کے لئے مزاحمت کرنے میں بڑی دشواریاں پیش آئیں گی، یہی سوچ کر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے، اختر باتوں باتوں میں اسے راہ پر لانا چاہتا تھا، امدو سے یہ ذکر چھیڑنے کا اشارہ اسی نے اسی لئے کیا تھا، کہ قمر کا عندیہ معلوم کرلے، یہ دیکھے کہ آیا ان چند دنوں میں، قمر کا دل بدلا یا نہیں، لیکن آج کی ٹٹول کے بعد اس نے معلوم کر لیا، قمر اپنے فیصلہ پر قایم ہے، اس میں کوئی لچک اور نرمی نہیں پیدا ہوئی ہے کچھ یہ دیکھ کر، اور کچھ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر، وہ اپنی جلد بازی پر

یہ تمہارا حکم ہے، اور تمہارا حکم میری محبت پر بھی غالب ہے، یہی سہی!"

"یہی سہی" ——— یہ اختر نے اس طرح کہا، جیسے مجرم کو پھانسی کی سزا مل رہی ہو، اور اس سزا کے ساتھ اسے دوسری سزا یہ دی جا رہی ہو کہ اسے مجبور کیا جائے، کہ وہ ہنسی خوشی پوری رضامندی کے ساتھ یہ سزا قبول کرے، قمر نے اختر کی اس بے بسی، اور گداز قلب کو محسوس کیا، کچھ دیر چپ رہکر وہ بولی،

"میں آپ کا اترا ہوا چہرہ نہیں دیکھ سکتی، ذرا مسکرائیے تو میری خاطر سے!"

اختر نے زہر خند کرتے ہوئے کہا،

"دل رو رہا ہو، اور ہونٹ مسکرا رہے ہوں، یہ مجھے نہیں آتا ——— تم مجھ سے دونوں کام نہیں لے سکتیں، اگر تم مجھے ہنستا ہوا دیکھنا چاہتی ہو، تو تمہیں میرا بننا پڑے گا، اگر تم یہ نہیں کر سکتیں، تو مجھے رونے دو، اور یہ بھول جاؤ، کہ میرے ہونٹ مسکرانا جانتے ہیں!"

"لیکن میں تو آپ کو دیکھ کر ہمیشہ مسکراتی ہوں، اور آپ کے جانے کے بعد روتی ہوں"

"کیوں"؟

"مسکراتی اس لئے ہوں کہ آپ کو ہنستا ہوا دیکھ سکوں، روتی اپنے نصیب پر ہوں، کہ دل جس سے محبت کرتا ہے، اسے پا نہیں سکتا،"

اب اختر جھنجلا گیا، اس نے ذرا برہمی کے ساتھ کہا،

"آخر کیوں نہیں پا سکتا، یہ مصیبت تو خود تم نے اپنے اوپر عاید

اختر نے ایک تاثر کے عالم میں کہا

"اگر تم کہو، تو میں یہاں کا آنا بھی ترک کر دوں، میں کوئی بات تمہاری مرضی کے خلاف نہیں کرنا چاہتا، میں اپنی امیدوں اور آرزوؤں کو قربان کر کے بھی تمہیں خوش رکھنا چاہتا ہوں، اگر میرے آنے سے تمہیں تکلیف پہونچتی ہو، تو بے تکلف کہدو، مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی، اور میں تمہارا یہ کہنا بھی مان لونگا!"

قمر نے کہا،

"میں آپ کو آنے سے تو منع نہیں کرتی، میں تو خود آپ کی راہ تکا کرتی ہوں، !"

اختر کے دل میں پھر ایک ولولہ اٹھا، اس نے کہا،

"تمہاری محبت دنیا میں اپنی قسم کی پہلی محبت ہے ——— تم مجھ سے محبت کرتی ہو، میرا انتظار کیا کرتی ہو، لیکن تم اس کی روادار نہیں ہو، کہ میری بن سکو!"

"میں آپ کے سوا دنیا میں نہ کسی کی ہوں، اور نہ کسی کی بن سکتی ہوں عورت کی محبت اٹل ہوتی ہے، وہ ذائقہ اور چاشنی کے لئے عارضی طور پر بھی، اپنی محبت میں ردوبدل نہیں کیا کرتی، حالانکہ مرد، مستقل طور پر یہ کھیل کھیلا کرتے ہیں، ——— میں اگر آپ کی بننے سے انکار کر رہی ہوں تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے، کہ میں کسی اور کی بن سکتی ہوں، بلکہ صرف یہ کہ میری محبت کا حکم یہی ہے!"

اختر نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا،

"تم اپنی محبت کا حکم شوق سے مانو، میں اپنی محبت کا حکم نہ مانوں!

بھی اس کے پاس پیسے نہیں رہے، میں وہیں سے آ رہا ہوں، تیرے پاس کچھ ہو تو اس کی لڑکی کو دے آ!"

وہ بولی،

"جاتی ہوں بابا، میرے پاس دس روپے ہیں دیئے آتی ہوں!"

قمر اصغر کے ہاں چلی گئی، اور امدو اختر سے باتیں کرنے لگا!

کر رکھی ہے، میں تم سے محبت کرتا ہوں، تم مجھ سے محبت کرتی ہو، پھر رکاوٹ کیا ہے، ؟ ہم دونوں کیوں ایک دوسرے کے مالک نہیں بن سکتے ؟ جو رکاوٹ پیش آسکتی تھی، میں نے وہ بھی دور کر دی، گھر بار تک سے قطع تعلق کر لیا"

"یہ سب کچھ آپ نے وقتی جوش میں کیا ہے، اس وقت آپ کو بالکل اندازہ نہیں ہے، کہ آگے چل کر، اس عارضی مسرت کا انجام کتنا دردناک ہو گا !"

"انجام دردناک کیوں ہو گا ؟ یہ پیشین گوئی تم کیسے کر رہی ہو ؟"

"میں جانتی ہوں، چوٹ جب گرم ہوتی ہے، محسوس نہیں ہوتی، جب ٹھنڈی ہو جاتی ہے، بری طرح کھٹکتی ہے، آج آپ، کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لا رہے ہیں، ہر مصیبت کا مقابلہ کرنے پر تیار ہیں، لیکن کل جب آپ کا خاندان آپ کا بائیکاٹ کر یگا، آپ کی بیوی کو ذلیل کر یگا، آپ کی اولاد کو حقیر سمجھے گا، اس وقت ممکن ہے، آپ زبان سے کچھ نہ کہیں لیکن ضرور پچھتائیں گے، ضرور آپ کا دل کڑھے گا، اور میں ایسا کام نہیں کرنا چاہتی جس پر آپ کو کبھی بھی پچھتانا پڑے، کبھی بھی آپ کا دل کڑھے !"

"یہ تمہارا وہم ہے !"

"آج ——— اور کل یہ حقیقت بن جائیگا !"

"وہم وہم ہی ہے، آج بھی اور کل بھی !"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ امدو لاٹھی ٹیکتا ہوا آیا، اور اس نے قمر سے کہا،

"بیٹی اصغر آج ایک مہینہ سے بیمار ہے، اب تو دوا علاج کے لئے

اختر کا نام سنکر خان بہادر کی رگ پدری جوش میں آئی، انہوں نے غصہ کے عالم میں کہا،

"اختر کا نام مت لو بیگم!"

بیگم تو موقعہ ڈھونڈھ رہی تھیں جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے لگیں بولیں،

"کیوں نہ لوں اس کا نام"؟

"میں اس ننگ خاندان کا ذکر بھی نہیں سننا چاہتا!"

"تم اس کا ذکر نہیں سننا چاہتے۔ تو گھر میں آنا جانا بند کر دو، یہاں تو ہر وقت اس کا ذکر ہوتا ہے، اور ہو گا!"

"وہ بدمعاش ہے، شیطان ہے!"

"اول تو وہ ہے نہیں، اور اگر ہو، تو بھی اولاد کو کوئی چھوڑ نہیں دیتا"

"تمہیں کیا ہو گیا ہے بیگم؟ تم تو مجھ سے زیادہ اس سے خفا تھیں؟ اس کی ساری نالائقی بھلا دی تم نے؟"

"مجھے اس کے سوا کچھ یاد نہیں ہے کہ وہ میرا بیٹا ہے، وہ میرے کلیجہ کا ٹکڑا ہے، وہ میری آنکھوں کا نور ہے، اور، اسے ظالموں نے مجھ سے جدا کر رکھا ہے!"

"ذرا ان ظالموں کا نام بھی تو بتا دو!"

"تم اور کون؟"

خان بہادر صاحب بے انتہا غصہ میں تھے، اس لئے انہوں نے آتی ہوئی مسکراہٹ روک لی، بولے

باب ۲۱

مامتا

عائشہ بیگم اپنے کمرہ میں خاموش، اور مغموم بیٹھی ہوئی تھیں، ان کے پاس سلطانہ بیٹھی تھی، اس کے چہرے پر بھی، غم والم کے بادل چھائے ہوئے تھے، اس کا ہنستا ہوا اور تر و تازہ چہرہ کملایا ہوا نظر آرہا تھا، جیسے وہ کچھ بیمار ہو، جیسے اسے کوئی غم ہو۔

اتنے میں باہر سے خان بہادر امجد حسین تشریف لائے، سب سے پہلے ان کی نظر سلطانہ پر پڑی، اسے دیکھ کر انہوں نے محبت بھرے لہجہ میں کہا،

"بیٹی تم خاموش کیوں ہو؟ خفا ہو کسی سے؟"

قمر نے باپ کی بات کا کوئی جواب نہ دیا، وہ رونے لگی، آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے، یہ دیکھ کر خان بہادر صاحب گھبرا گئے انہوں نے سلطانہ کے پاس جاکر پوچھا،

"کیا ہوا؟ کیا ہوا بیٹی؟"

بیگم بولیں،

"ہوتا کیا، جب سے اختر گیا ہے، لڑکی کا یہی حال، تم نے آج دیکھا تو بات بھی پوچھ لی، ورنہ ابتو اس کا کام ہی رونا اور سر پھوڑنا رہ گیا ہے!"

قمر کو، نہ جانے وہ کون منحوس دن تھا، جب وہ سبز قدم اس گھر میں آئی تھی ——— لیکن میں تو کہتی ہوں کہ اختر کو بلاؤ کسی طرح!"

"کس طرح؟"

"کسی کو بیچ میں ڈالو، وہ سمجھا بجھا کر لے آئے گا!"

"اچھا مان لیا، وہ آگیا، پھر کیا کرو گی؟"

"کہیں شادی کر دیں گے، اس کی، شادی کے بعد، نہ قمر یاد رہے گی، اس نمک حرام کا عشق ———"

"وہ راضی ہو جائے گا، شادی پر؟"

"کیوں نہیں ہو گا؟"

"ہرگز نہیں ہو گا، مجھے معلوم ہے، وہ اپنے ایک دوست کے ہاں ٹھہرا ہوا ہے، اور اسی فکر میں ہے کہ قمر سے کسی طرح، شادی کر لے"

"ہو جائے گا راضی، تم اسے یہاں بلا کے دیکھو تو، میں ذمہ لیتی ہوں اسے راضی کرنے کا"

"میں اسے ہرگز نہیں بلوا سکتا، آئے گا تو وہ خود آئے گا، ورنہ اس گھر کا دروازہ ہمیشہ اس کے لئے بند رہے گا!"

"چاہے بہن سوکھ کر کانٹا ہو جائے، ماں قبر میں پہونچ جائے؟"

"ہاں!"

اسے تو ضدی کہتے ہو؟ خود کیا ہو؟"

"میں اس مسئلہ پر بالکل گفتگو نہیں کرنا چاہتا!"

یہ کہہ کر برہمی اور غصہ کے عالم میں وہ باہر چلے گئے، ان کے جانے

"اگر مامتا کا یہی جوش ہے تو سدھر جیگا لڑکا"!

"مامتا کا جوش کیوں نہ ہو؟ وہ میرا بچہ نہیں ہے، میں نے مہینہ اسے پیٹ میں نہیں رکھا ہے؟ اس کے لئے کڑیاں نہیں جھیلی ہیں؟ —— غضب خدا کا جوان جہاں لڑکا گھر سے نکال دیا جائے، اور میں ہونٹ سی لوں، اف بھی نہ کروں، یہ ظلم مجھ سے نہیں سہا جاتا!"

یہ کہہ کر بیگم صاحبہ نے بھی سلطانہ کا ساتھ دیا، اور، وہ بھی پھوٹ پھوٹ کے رونے لگیں،

خان بہادر صاحب نے کہا،

"وہ نالائق اب بھی اپنی ضد پر قایم ہے"

بیگم روتے روتے بولیں،

"قائم رہنے دو ——— ذرا دیر کے لئے تمہی اپنی اپنی مونچھیں نیچی کرلوگے تو کیا ہو جائے گا؟"

"یعنی تم چاہتی ہو، میں اس کا بیٹا بن جاؤں، اس کی خوشامدیں کروں جاکر، اسے اجازت دے دوں کہ وہ قمر سے نکاح کرلے؟ خاندان کی ناک کٹا دے؟"

بیگم صاحبہ خود بھی قمر کو بہو بنانے پر تیار نہیں تھیں، لیکن بیٹے کی جدائی کا غم بھی نہیں سہ سکتی تھیں، انہوں نے دونوں باتوں کے جواب الگ الگ دیئے،

"میں کب کہتی ہوں قمر سے نکاح کرلے، اس شادی کی میں بھی اتنی ہی مخالف ہوں، جتنے تم ہو ——— آگ لگے اس موئی

"برقعہ اوڑھ کر جاؤں، اور پکڑ لاؤں اسے"؟

"لاحول ولا قوۃ، بات تو سنو!"

"سن تو رہی ہوں ——— کیا اپنا کان تمہارے منہ سی لگا دوں"

اب خان بہادر صاحب کا غصہ بالکل ختم ہو چکا تھا، انہوں نے بے تکلفی کے لہجہ میں کہا،

"خفا بعد میں ہوتی رہنا، پہلے کام کی بات سنو!"

"اے ہے، سن تو رہی ہوں، کچھ کہو بھی تو!"

"وہ خوشامد سے راہ راست پر نہیں آئے گا!"

"تو بندوق لے کے جاؤ، داغ دو اس پر، موئی کس دن کام آئیگی"

"پھر وہی!"

بیگم خاموش ہو گئیں، خان بہادر نے فرمایا،

"میرا مطلب یہ ہے کہ تم اس سے کہلاؤ کہ اگر وہ راہ راست پر نہ آیا تو جائداد سے، محروم کر دیا جائے گا، اور اگر اپنی غلطی مان کر چلا آیا تو کوئی کچھ نہ کہے گا،!"

"آچکا اس طرح ——— وہ بھی تمہارا بیٹا ہے!"

عاجز آ کر خان بہادر صاحب بولے،

"تم سے کوئی مدد نہیں مل سکتی، میں خود اس معاملہ کو نپٹاؤں گا"

"کس طرح ذرا میں بھی تو سنوں؟"

"ابھی نہیں، پھر کسی وقت!"

یہ کہہ کر وہ پھر باہر چلے آئے، شام کو وہ اپنی شاندار فٹن پر بیٹھکر

کے بعد سلطانہ نے ماں سے پوچھا،

"اب کیا ہوگا"؟

"کیا بتاؤں بیٹا، ایسے ظالم سے پالا پڑا ہے، جو کسی کی نہیں سنتا!"

خان بہادر صاحب غصہ میں باہر تو چلے گئے تھے، لیکن اختر کی محبت ان کے دل میں بھی چٹکیاں لے رہی تھی، وہ اس وقت بیگم سے لڑ کر آئے تھے، لیکن خود اس فکر میں تھے، کہ کسی طرح اختر واپس آجائے، وہ باپ کی آن قائم رکھنا چاہتے تھے، اسے خود بلانے سے گریز کرتے تھے، لیکن اگر وہ آپ ہی آپ آجائے، یا ماں کسی ذریعہ سے اسے بلوالے، تو انہیں ذرا بھی اعتراض نہیں تھا،

باہر آکر خان بہادر اپنے کمرہ میں ٹہلنے لگے، اور اختر کے بارے میں سوچنے لگے، تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے نہ جانے کیا سوچا کہ پھر زنانخانہ میں آئے، اب بیگم تنہا بیٹھی تھیں، سلطانہ موجود نہیں تھی، انہوں نے بیگم سے کہا،

"کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں اختر سے محبت نہیں کرتا؟"

اس التفات سے وہ ذرا بھی متاثر نہیں ہوئیں، انہوں نے بڑی بے رخی کے ساتھ کہا،

"میں کیا جانوں"؟

خان بہادر صاحب نے اس بے رخی کا اثر نہیں لیا، اور اسی استقلال کے ساتھ سلسلۂ گفتگو جاری رکھا،

"اگر تم چاہتی ہو، تو بلالو اسے!"

آگے بڑھنے کے بعد، باپ کا سخت دل، ماں کا نرم دل بن گیا، وہ ایک ماں کی طرح سوچنے لگے، اختر ان چند دنوں میں کچھ دبلا ہوگیا ہے، کچھ خوش بھی نہیں معلوم ہوتا، چہرہ اترا اترا سا تھا، اگر یہی حالت رہی تو کہیں بیمار نہ پڑ جائے، ہمیشہ کا کمزور ہے، گھر سے باہر رہ کر اگر بیمار پڑا، تو اچھا ہونا مشکل ہو جائے گا، کون اسے دوا پلائے گا، کون اسے کھانا کھلائے گا، کون اس کی تیمارداری کریگا، یہ سوچتے سوچتے، انہیں ایسا محسوس ہوا، کہ گویا اختر واقعی بیمار پڑ گیا ہے، اور بے یار و مددگار، ایڑیاں رگڑ رہا ہے، انہوں نے گھبرا کر کوچبان سے کہا،

"گاڑی واپس لو، گھر چلیں گے!"

کوچبان نے لگام کھینچ کر گھوڑے کو روکا، پھر اسے گھما کر، چابک کی جھلک دکھائی، اور وہ پھر جہاں سے آیا تھا، اسی طرف روانہ ہوگیا،

واپسی میں پھر خان بہادر کے دل میں، اختر کی یاد چٹکیاں لینے لگی، آج اختر کو اس حالت میں دیکھ کر انہیں یقین ہوگیا، کہ خوشامد یا دھمکی سے کام نہیں چل سکتا، بلکہ کچھ اور بگڑ جائے گا، لڑکا ضدی ہے جس راستہ پر گامزن ہے، اسے خود نہیں چھوڑ یگا، ضرورت اس کی ہے کہ راستہ اسے چھوڑ دے، اختر قمر کو نہیں چھوڑ سکتا، لیکن قمر تو اختر کو چھوڑ سکتی ہے، جب تک قمر موجود ہے، اختر کی حالت میں کوئی اصلاح نہیں ہو سکتی راستہ کا یہ پتھر ہٹ جائے، تو اختر کی منزل بھی فوراً بدل جائیگی،

وہ سوچنے لگے، قمر کو اختر کے راستہ سے کس طرح ہٹایا جائے وہ طریقہ تو نہ سوچ سکے، لیکن انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا، کہ اس

ہوا خوری کو نکلا کرتے تھے، جب باہر آئے، تو ٹٹن تیار کھڑی تھی، اور سائیس گھوڑے سے ہنسی مذاق میں مصروف تھا، انہیں دیکھ کر وہ چونکا، اور ادب سے الگ ہٹ کر کھڑا ہو گیا، وہ ٹٹن میں بیٹھے، اور روانہ ہو گئے،

اختر اس وقت امدو کے ہاں سے آ رہا تھا، ابھی ابھی اس کی اور قمر کی ایک جھڑپ ہو چکی تھی، اسے یقین ہو چلا تھا، کہ قمر اعتراف محبت کی منزل سے آگے نہیں بڑھے گی، وہ اسے اپنے دل کی رانی بنا سکتا ہے، لیکن گھر کی ملکہ نہیں بنا سکتا، اس خیال نے اس پر ایک مایوسی، اور افسردگی، کی کیفیت پیدا کر دی تھی، وہ اپنے خیال میں مست چلا آ رہا تھا، کہ گھوڑے کی ٹاپ کی آواز اس کے کان میں پہونچی، نظر اٹھا کر دیکھا تو خان بہادر صاحب ہوا خوری کیلئے تشریف لے جا رہے تھے، خان بہادر صاحب کے باہر نکلنے کے اوقات مقرر تھے، وہ ہمیشہ ایسے وقت باہر نکلتا تھا، جب باپ سے مڈبھیڑ کا امکان نہ ہو، آج وہ قمر کی باتوں سے دل گرفتہ ہو کر، وقت سے ذرا پہلے چلا آیا تھا، اور آج ہی اتفاق سے خان بہادر صاحب نظر آ گئے، باپ بیٹے کی آنکھیں چار ہوئیں، خان بہادر پر جلال کی اور اختر پر سراسیمگی کی کیفیت طاری ہوئی، اس نے جلدی سے ہاتھ اٹھا کر باپ کو سلام کیا، کوچبان نے بھی اختر کو دیکھ لیا، وہ اسے دیکھ کر گاڑی ٹھہرانے لگا، کہ دفعتہً خان بہادر کی آواز فضا میں گونجی،

"مت روکو، چلے چلو!"

کوچبان نے، راس پھر ڈھیلی چھوڑ دی، اور گھوڑا سرپٹ بھاگنے لگا، اختر اپنے راستہ چلا گیا، اور وہ اپنی منزل کی طرف،

باب ۲۲

اچانک

امدو کئی دن سے بخار میں مبتلا تھا، بوڑھا اور کمزور تو تھا ہی، بخار کو اپنی شان دکھانے کا پورا موقع مل گیا، وہ دن بدن کمزور ہوتا جاتا تھا جیسے جیسے کمزوری بڑھتی جاتی تھی، ویسے ویسے وہ زندگی سے مایوس ہو جاتا تھا،

قمر نے، اور اختر نے، امدو کی تیمارداری میں دن رات ایک کر دیا، علاج مظہر کا تھا، وہ بھی دن میں دو ایک چکر ضرور لگا لیا کرتا تھا، امدو کی بیماری نے قمر کے دل و دماغ میں ایک ہلچل سی پیدا کر دی تھی، اب اس کے دو ہی کام رہ گئے تھے، باپ کی تیمارداری، اور رونا، ابتک اس کے دماغ میں یہ خیال نہیں آیا تھا، کہ یہ بوڑھا اگر چل بسا تو وہ کیا کرے گی، کہاں جائے گی؟ کس کی پناہ لے گی؟ لیکن اب یہ سوال بار بار اس کے سامنے آنے لگا تھا، اور وہ اکثر رو رو کر سوچا کرتی تھی، کہ اگر خدانخواستہ بابا گزر گئے، تو میں کیا کروں گی؟ کون ہے جو مجھے سہارا دے، اس دنیا میں مرد، اور لڑکے، اکیلے اور تنہا گذار کر سکتے ہیں، لیکن عورت اور لڑکی نہیں رہ سکتی، اسے ابتک قدرت سے کوئی شکایت نہیں تھی، کہ وہ

سلسلہ میں کام بہت جلد شروع کر دینا چاہیئے، اس کام کو کسی نہ کسی طرح، بہرحال انجام دینا ہے!

"اب چل چلاؤ ہے بیٹیا، بہت رہ لئے دنیا میں!"

قمر پھر رونے لگی، اختر کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے، امدو نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا، قمر اور اختر پٹی سے لگے بیٹھے ہوئے ہیں، وہ کمزور آواز میں اختر سے مخاطب ہوا،

"بیٹیا کچھ کہنا چاہتا ہوں!"

"ضرور کہئے گا، لیکن اس وقت آرام کیجئے باتیں کرنے سے تکلیف بڑھے گی!"

"نہیں بیٹیا، اب تکلیف کے گھٹنے کا، ختم ہونے کا وقت آرہا ہے لیکن جو کچھ کہنا چاہتا ہوں، وہ اگر، نہ کہہ سکا، تو مرنے کے بعد بھی قبر میں بیٹھ نہیں لگے گی!"

قمر بدستور، رو رہی تھی، اختر نے کہا،

"اچھا کہئے، کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟"

"صرف ایک بات!"

"کہئے!"

"میرے چل چلاؤ کا وقت آگیا ہے ——— اب میں زندہ نہیں رہ سکتا، زندہ رہنا بھی نہیں چاہتا، اور سچ پوچھو تو میری موت آج سے ۲۵ برس پہلے ہو چکی تھی!"

اختر نے سوچا، مرض کی شدت نے بحران اور ہذیان کی کیفیت پیدا کر دی ہے؟ اس نے دلدہی کے لہجہ میں کہا،

"گھبرائیے نہیں اچھے ہو جائیں گے آپ!"

لڑکی کیوں بنی، لڑکا کیوں نہ ہوئی، لیکن اب سوچتی تھی، کاش میں لڑکی نہ ہوتی لڑکا ہوتی،

اختر اسے تسکین دینے کی بہت کوشش کرتا تھا، لیکن اس تسکین سے اس کی تسلی نہیں ہوتی تھی، اور زیادہ ہراساں اور بیقرار ہو جاتی تھی اور زیادہ شدت کے ساتھ اس کی آنکھیں آنسو بہانے لگتی تھیں، باپ کے بعد اختر ہی اس کا سب سے بڑا سہارا تھا، شاید وہ سوچتی تھی، کہ باپ کے چھن جانے کے بعد، اختر بھی اس سے چھین لیا جائیگا، اس سہارے سے بھی ہاتھ اٹھانا پڑیگا، باپ کو قدرت چھین رہی تھی، اور اختر کو اس کی محبت چھینے لئے جا رہی تھی، وہ اختر کی ہو کر ساری زندگی گزار دینا چاہتی تھی، لیکن اختر کی بن کر اس کے ساتھ زندگی نہیں بسر کر سکتی تھی، یہ باتیں سوچ کر، وہ رونے کے سوا، اور کر بھی کیا سکتی تھی؟

رات کا وقت تھا، گیارہ بج چکے تھے، اختر اور قمر، دونوں امدو کی پٹی سے لگے بیٹھے تھے، اختر اصرار کر رہا تھا، کہ تم جا کے آرام کرو، میں رات بھر جاگوں گا، اور قمر ضد کر رہی تھی، نہیں آپ جائیے، محنت کرتے کرتے خود آپ کی طبیعت خراب ہوئی جا رہی ہے، میں بیٹھی رہوں گی یہاں دونوں ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے، مصالحت کرنے پر کوئی آمادہ نہیں تھا،

اتنے میں امدو نے ایک آہ کے ساتھ کروٹ لی، اختر نے پوچھا،

"اب کیسی طبیعت ہے؟"

وہ بے کلی کے ساتھ بولا،

پر جان دیتی رہی، میری محبت کا خزانہ خالی تھا، لیکن وہ اپنی محبت کا خزانہ بڑی سخاوت کے ساتھ لٹا رہی تھی، ——— نیک اور اچھے لوگ جلد مر جاتے ہیں، میں برا تھا، زندہ رہ گیا، وہ اچھی تھی مر گئی، ——— اس کے مرنے کے بعد، میرا دہلی میں جی نہ لگا، اور میں یہاں آ گیا، اپنی ننھی سی گڑیا کو لیکر!"

امدو کی آواز بھرا رہی تھی، اور اختر پر ایک محویت سی طاری تھی کہ اس نے اپنی طاقت کو مجتمع کر کے سنبھالا سا لیتے ہوئے کہا،

"نوکری کے زمانہ میں دو ڈھائی ہزار روپے میں نے جمع کر لئے تھے، سوچا تھا اب تجارت کروں گا، اور یہی سوچکر یہاں آیا تھا، لیکن بیمار پڑا اور سارا روپیہ صرف ہو گیا، روپیہ بھی گیا، اور روپیہ کے ساتھ آنکھیں بھی چھن گئیں، لنگڑا بھی ہو گیا ——— سوچا تھا، اپنا خاندانی پیشہ تجارت شروع کر دوں گا، نفع کماؤں گا، ترقی کروں گا، اپنی لڑکی کو شہزادی بنا کر رکھوں گا، اسے ریشم کے کپڑے، اور سونے کے زیور پہناؤں گا لیکن ہوا یہ کہ وہ بھیک مانگنے پر مجبور ہو گئی، اسے دوسرے گھروں کی ملازمت کرنی پڑی ——— میری کمزوری بڑھتی جا رہی ہے ——— ہاں تو میں کہہ رہا تھا، تاریخ اپنے آپ کو دوہراتی ہے، اور آج پھر دہرا رہی ہے، میں تمہارے ہاتھ میں اپنی بدقسمت لڑکی کا ہاتھ سونپتا ہوں، ——— میں تم سے یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ تم اس سے شادی کر لو، میں جانتا ہوں یہ تمہارے لائق نہیں ہے، لیکن یہ ضرور کہتا ہوں کہ اس کی شادی کسی اپنے ہی جیسے شریف آدمی سے کرا دو، ——— میری زندگی کا چراغ ہر

"اب اچھا ہو کر کیا کروں گا؟ ——— تاریخ اپنے آپکو دوہراتی ہے، اور آج پھر وہ اپنے آپ کو دوہرا رہی ہے!"

اب تو اختر اور قمر دونوں کو یقین ہو گیا کہ معاملہ نازک ہے اور مریض بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ اختر نے قمر سے کہا،

"تم بیٹھو، میں مظہر کو لیکر آتا ہوں!"

امدو نے اختر کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا، اور کہا،

"ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے، تم بن سکتے ہو میرے ڈاکٹر، میری زندگی اب تمہارے ہاتھ میں ہے، اگر میری ایک بات مان لو"

"کہئے، کہئے، میں آپ کا ہر حکم بڑی خوشی سے مانوں گا!"

امدو نے، آہستہ آہستہ کہا،

"یہی امید تھی تم سے ——— آج سے ۲۵ برس پہلے کا ذکر ہے، میں دہلی کے ایک مدرسہ میں، لڑکوں کو پڑھایا کرتا تھا، وہاں ایک بوڑھے مدرس اور تھے، ایک روز انہوں نے مجھے الگ لیجا کر کہا، میں غریب ہوں، میرے پاس زیور نہیں، جہیز نہیں، روپیہ نہیں، میری جوان لڑکی بیٹھی ہے، اور کوئی میرا داماد بننے پر راضی نہیں ہوتا، لوگ میری مجبوریوں کو نہیں دیکھتے، میرا مذاق اڑاتے ہیں، کہ جوان لڑکی گھر میں بیٹھی ہے، اور میں اس کی شادی کا بندوبست نہیں کرتا، کیا تم میری لاج رکھو گے! میری لڑکی سے شادی کر لو گے ——— میں شادی کے نام سے بھاگتا تھا لیکن، یہ بول سنکر میں انکار نہ کر سکا، میں نے شادی کر لی، اور اسی شادی کی یادگار قمر ہے، میں اپنی بیوی سے کبھی محبت نہ کر سکا، لیکن وہ زندگی بھر مجھ

"میں حاضر ہوں!"

"تم قمر سے شادی کرلوگے؟"

"اگر آپ دونوں کو اعتراض نہ ہو!"

امدو نے پھر اپنی گرتی ہوئی طاقت جمع کی اور کہا،

"اعتراض ——— تم پر ——— تم انسان نہیں فرشتہ ہو ——— لیکن یہ نہیں ہوسکتا بیٹے، میری داستان سنکر تمہیں مجھ پر اور میری بچی پر رحم آرہا ہے، بیشک ہم دونوں رحم کے مستحق ہیں، لیکن میں تمہاری شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا، میں تم جیسے محسن کے دامن سے، ایک بھکارن کا دامن نہیں باندھنا چاہتا، تمہیں ایسی جگہ شادی کرنی چاہیئے، جو تمہارے شایان شان ہو، ہم بھکاریوں میں رشتہ اور پیوند کا تعلق قایم کرنے سے تمہاری عزت لوگوں کی نظروں میں بڑھے گی نہیں گھٹ جائے گی!"

اختر نے کہا،

"میں بھی آپ ہی جیسا ایک غریب انسان ہوں، مجھے دولت نہیں چاہیئے خاندان نہیں چاہیئے، ریشم کے کپڑے، سونے کے زیور، اور جہیز نہیں چاہیئے ایسی لڑکی چاہیئے، جو واقعی شریف اور نیک ہو، قمر سے بڑھ کر نیک اور شریف لڑکی میری نظر سے آج تک نہیں گزری، وہ میری رفیقۂ حیات بنکر مجھے ایک نئی زندگی عطا کرسکتی ہے!"

اب قمر امدو کے سینہ پر سر رکھ کر چھوٹ چھوٹ کے بچوں کی طرح رونے لگی، وہ بڑی شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا، اس نے کہا،

وقت بجھ سکتا ہے، اگر مرنے سے پہلے میں یہ خوشی دیکھ لوں، تو بڑے اطمینان سے مروں گا!"

اختر نے گریہ آلود آواز میں کہا،

"یہ نہ کہئے، خدا آپ کو بہت دنوں زندہ رکھے گا، اور آپ کو اپنی اولاد کی بہت سی خوشیاں دیکھنا نصیب ہوں گی!"

"جھوٹی تسلی نہ دو بیٹا، میں جان ہار رہوں، میری حالت کیا ہے ــــــ بتاؤ تم قمر کے بارے میں کیا کہتے ہو، مجھے تمہاری شرافت سے امید ہے کہ تم ایک اپاہج اور اندھے کی یہ آخری تمنا پوری کر دو گے!"

اختر نے بیتابی کے ساتھ کہا،

"میرا اس دنیا میں کوئی شناسا ایسا نہیں ہے، جسے قمر کے پلّے باندھ سکوں!"

امدو مایوس ہو گیا، اس کی اندھی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا،

"پھر مجبوری ہے، خدا کی مرضی یہی تھی کہ مرنے کے بعد بھی مجھے چین نہ ملے!"

اختر نے کہا،

"لیکن اگر، آپ کو اور قمر کو اعتراض نہ ہو، تو میں خود حاضر ہوں!"

امدو کی جان میں جان آگئی، لیکن اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا، اس نے کہا،

"کیا کہا تم نے؟"

کے قدموں میں گزار دے ـــــــــ شاید اختر کے استقلال نے بھی قمر کو متزلزل کر دیا تھا، وہ دیکھ رہی تھی، یہ میرے لئے ساری دنیا کو چھوڑ چکا ہے اگر میں نے بھی اسے چھوڑ دیا، تو اس دنیا میں اس کا کون رہ جائے گا، یہ خیال ابھی ابھی اس کے دل میں آیا تھا، اور شاید یہ اس لئے آیا تھا کہ جب ہم اپنا کوئی فیصلہ بدلتے ہیں، تو پہلے اپنے دل کو مطمئن کرنے کے لئے، اس کی وجہ تلاش کر لیتے ہیں،

امد دیر غشی کی سی کیفیت طاری ہو رہی تھی، اور اختر اسے جواہر مہرہ دے کر، پھر ذرا اجال کرنے کی کوشش کر رہا تھا، قمر اس کے سامنے بیٹھی تھی، اگرچہ اس کی آنکھوں میں آنسو اب تک جھلک رہے تھے، لیکن چہرہ پر بشاشت بھی جھلک رہی تھی، بچہ سے کچھ چھین لو تو وہ رونے لگے گا کچھ دے دو، تو اس کی ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں مسکرانے لگیں گی، قمر سے باپ چھین رہا تھا، اور اختر ـــــ مل رہا تھا، اس کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں اور چہرہ پر بشاشت بھی تھی!

"نہ رو بیٹی، لوگوں کے ماں باپ ہمیشہ زندہ نہیں رہتے، ایک نہ ایک دن انہیں مرنا ہی پڑتا ہے، تیرا باپ تو بہت جی لیا، آخر کب تک جیتا، اب میری دعا یہ ہے کہ خدا تجھے سکھ کی زندگی عطا کرے!"

پھر وہ اختر سے مخاطب ہوا اس نے کہا،

"میں قمر کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دیتا ہوں، مجھے امید ہے یہ زندگی بھر تمہاری خدمت کرے گی، بالکل اسی طرح جس طرح اس کی ماں نے میری کی تھی، شاید یہ بھی تمہاری محبت نہ پا سکے، جس طرح اس کی ماں میری محبت نہ پا سکی تھی، لیکن یہ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ، یہ عمر بھر تمہاری لونڈی ہی بن کر رہے گی، شریف لڑکیاں ایسا ہی کرتی ہیں، اور اس کی رگوں میں بھی ایک شریف باپ کا خون گردش کر رہا ہے!"

یہ کہہ کر امدو نے قمر کا ہاتھ لیا اور اختر کے ہاتھ میں دیدیا، اختر کے لرزتے ہوئے ہاتھوں میں اس کے ہاتھ کو پکڑا اور، اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا،

قمر ایک بے بس مجہول کی طرح خاموش رہی، یہ سب کچھ اس طرح اچانک ہو گیا تھا کہ وہ کچھ نہ بول سکی، نہ باپ کی زبان روک سکی، نہ ہاتھ، اپنے وہ یہ طے کئے بیٹھی تھی، کہ میں اختر سے شادی نہیں کروں گی، اس لئے کہ خود اس کی عزت اور سربلندی کا تقاضہ یہ ہے کہ ایک غریب چھوکری اس کی زندگی کی ساتھی نہ بنے، لیکن اب باپ کی اچانک بیماری، اور اچانک فیصلہ اور حالات کی اچانک تبدیلی نے، اسے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا، اس کا فیصلہ بدل گیا، اور وہ اس پر راضی ہو گئی، کہ اختر کی کنیز بنکر ساری عمر اس

"آج کل شادی، بغیر روپیے کے نہیں ہوتی سرکار، اس کا اندھا باپ روپیہ کہاں سے لائے، وہ تو کسی غریب اور شریف لڑکے سے بات بھی طے کر چکا ہے اور جلد سے جلد شادی کر دینے پر تلا ہوا ہے، لیکن اپنی غربت دیکھ کر ٹال رہا ہے!"

خان بہادر صاحب نے ہمدردی کے ساتھ کہا،

"اگر کوئی شریف اور غریب لڑکا نظر میں ہے، تو فوراً شادی کر دینی چاہیئے، تم اسے یہی رائے دو!"

"میں کیا رائے دوں سرکار، وہ تو خود بیتاب ہے کہ جلد ہی سر لڑکی کی شادی کر کے بوجھ اتار دے، اپنی زندگی سے مایوس بھی بہت ہے، اس لئے اور جلدی اس فرض کو ادا کرنا چاہتا ہے، لیکن کچھ بھی تو نہیں ہے بیچارے کے پاس ——— غریبا مؤ سہی الیکن شادی میں کچھ کپڑے تو بنتے ہیں، ؟ کچھ جہیز تو لڑکی کو دیا ہی جاتا ہے، بس اسی فکر میں گھلا جا رہا ہے، بے چارہ امدو!"

یہ بات ہے تو تم قمر کے باپ سے کہدو تیاری کرے!"

یہ کہہ کر انہوں نے جیب سے سَو سَو کے پانچ نوٹ نکالے، اور فرمایا،

"یہ تم اسے دیدو!"

اصغر کا چہرہ روشن ہو گیا، اس نے یہ سخاوت دیکھ کر کہا،

"خدا بھلا کرے، بڑا ثواب لوٹ لیا سرکار نے!"

کچھ سوچتے ہوئے خان بہادر صاحب نے فرمایا،

"لیکن ایک شرط ہے"؟

باب ۲۳

سازش

اصغر اب پھر کام پر آنے لگا تھا، وہ اچھا تو ہو گیا تھا، لیکن کمزوری باقی تھی، خان بہادر صاحب نے اس کی یہ حالت دیکھ کر کہا،

"تم بہت کمزور معلوم ہوتے ہو!"

"سرکار بچ گیا، یہی خدا کا شکر ہے، ورنہ میں تو مایوس ہو چکا تھا"

"ابھی چند روز اور آرام کرو، کام کرو گے پھر بیمار پڑ جاؤ گے"!

اصغر نے اپنے آقا کو ممنونیت کے ساتھ دیکھا، اور کہا،

"بہت دن ہو گئے کام چھوڑے ہوئے!"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے، تم مطمئن رہو، تمہاری تنخواہ برابر جاری رہے گی!"

"یہ ورش ہے سرکار کی!"

"ہاں یہ بتاؤ، اب اس چھوکری کا کیا حال ہے، قمر کا!"

"ٹھیک ہے، اپنے باپ کے پاس ہے!"

"اب تو وہ جوان ہو چکی، شادی نہیں ہوئی ابتک؟"

اندر پہونچے، عائشہ بیگم حسب معمول مغموم اور افسردہ بیٹھی ہوئی تھیں، بیگم کے پاس پہونچکر انہوں نے محبت بھرے لہجہ میں کہا،

"تمہاری یہ ہر وقت کی پریشانی مجھ سے نہیں دیکھی جاتی!"

بیگم بولیں،

"تمہارا سا دل میں کہاں سے لاؤں، تمہیں تو نہ کوئی غم ہے نہ فکر میں تو گھلی جا رہی ہوں، اپنے بچہ کے لئے!"

خان بہادر نے مسکراتے ہوئے کہا،

"اور کیا، اختر میرا سوتیلا لڑکا ہے نا!"

"بیگم جل کر بولیں،

"سوتیلا باپ بھی وہ نہ کرے گا، جو تم نے کیا ہے!"

"اچھا صاحب میں نے اپنی خطا مان لی، کیا سزا تجویز کرتی ہیں آپ میرے لئے فرمائیے"!

"بوڑھے منہ مہاسے، لوگ چلے تماشے یہ چونچلے مجھے نہیں اچھے لگتے!"

"بڑی سفاک ہوگئی ہو، اب تو تم سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتیں ——— اچھا لو تمہیں ہم ایک خوش خبری سناتے ہیں!"

"میں درگزری خوش خبری سے، اپنی خوش خبری، اپنے ہی پاس رکھو!"

"سنو تو!"

"سن لیا بہت کچھ، بخشو!"

"اختر کی بات ہے!"

"فرمایئے"!

"قمر پر، یا اس کے باپ پر یہ ظاہر نہ ہو کہ میں نے روپیہ دیا ہے، تمہیں یہ وعدہ کرنا پڑے گا!"

"میں وعدہ کرتا ہوں، آپ کا نام ظاہر نہیں ہو گا سرکار!"

"اب تم جا سکتے ہو"

وہ چلا گیا۔

اور اس کے جانے کے بعد خان بہادر صاحب سوچنے لگے، — پانسہ ٹھیک پڑا ہے، قمر کی شادی ہو جائے گی، اور اختر مایوس ہو کر واپس آ جائے گا، وہ دل ہی دل میں اس کے استقبال کی تیاریاں کرنے لگے، انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا، اختر جیسے ہی آئے گا وہ اسے گلے لگائیں گے، اور اس کی نالائقی کو بالکل فراموش کر دیں گے، وہ بڑے رحم دل اور شریف آدمی تھے، یہ رقم انہوں نے امدو کو اسی لئے بھجوائی تھی کہ قمر اختر کے راستہ سے جلد از جلد ہٹ جائے، لیکن اگر اختر کا معاملہ نہ ہوتا، اور انہیں امدو کے حال زار کا علم ہوتا، تو.... بھی وہ اس کی مدد میں کوتاہی اور تامل نہ کرتے، بلکہ اس وقت تو انہوں نے اپنے آپ کو چھپا کر مدد کی تھی، لیکن اگر یہ صورت نہ ہوتی، تو وہ کھلم کھلا اس کی مدد کرتے، شادی کے سارے مصارف اپنی جیب سے ادا کر دیتے،

آج ان کے دل کا بوجھ بڑی حد تک اتر چکا تھا، اب وہ مسرور تھے مطمئن تھے، خوش تھے، ایسا معلوم ہو رہا تھا، فکر اور پریشانی کے بادل چھٹ چکے ہیں، امید اور کامیابی کا سورج جگمگا رہا ہے، وہ خوش خوش

"بس دو چار دن میں ——— زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ میں! ——— اب تم مطمئن ہو جاؤ، اور میری بات کا یقین کرو!"

بیگم صاحبہ نے اپنے جذبات کو دباتے ہوئے کہا،

"کہو"!

"یوں نہیں، پہلے خوش ہو جاؤ!"

"چولھے بھاڑ میں جائے خوشی، پہلے بات تو کہو!"

"اختر آجائے گا!"

"کب؟"

"بہت جلد!"

"تم ملے تھے اس سے؟"

"نہیں!"

"اس نے کسی کو بھیجا تھا، تمہارے پاس؟"

"نہیں"!

"پھر یہ خبر کہاں سے ملی؟ مجھ جہنم جلی کو چھیڑنے اور ستانے میں آخر تمہیں کیا مزہ ملتا ہے؟"

دل بھرا ہوا تھا، فوراً آنسو نکلنے لگے۔

خان بہادر نے کہا،

"تم خواہ مخواہ رو رہی ہو، میں نے ایسا بندوبست کر لیا ہے کہ دو چار، روز میں وہ آجائے گا، اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اسے کچھ نہیں کہوں گا، اور اس کی تمام خطاؤں کو معاف کر دوں گا، ——— بیگم اسے نہ بھولو کہ میں اس کا باپ ہوں، اور میرے دل میں بھی اس کی محبت ہے!"

"تو آخر کب آئیگا وہ؟"

رشتہ پر، میں کتنی ہی نارضامندی اور خفگی کا اظہار کروں، لیکن میرا دل خوش ہے، البتہ اسی خوشی کے ساتھ، ایک پھانس بھی ہے، جو ہر وقت دل میں کھٹکتی رہتی ہے، یہ کہ میں اختر کو خوش بھی رکھ سکوں گی، میری وجہ سے اسے جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑیگا، ان میں کچھ مدد بھی میں اس کی کرسکوں گی؟

ایک روز وہ اسی فکر میں بیٹھی ہوئی تھی، کہ اختر آیا اس نے کہا،

"قمر تم پریشان ہو کچھ؟"

وہ افسردگی کے عالم میں بولی،

"نہیں تو!"

وہ بچوں کی طرح ہمک کر بولا،

"میں نہیں ماننے کا، تم کچھ چھپا رہی ہو، کوئی بات ضرور ہے"؟

"سوچ رہی ہوں، اب کیا ہوگا؟ بابا نے اپنی زندگی سے مایوس ہوکر، مجھے آپ کے سپرد کر دیا، سچ پوچھئے تو میرے لئے اس سے بڑھ کر خوشی کی کوئی بات نہیں ہوسکتی، کہ میری زندگی، آپ کے سایہ میں بسر ہو، لیکن سوچتی ہوں میں آپ کو خوش رکھ سکوں گی، ایسا تو نہ ہوگا، کہ میں آپ کے لئے وبال جان بن جاؤں؟"

اختر نے کہا،

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ میری زندگی کی تمنا، آنکھوں کی آرزو، دل کی حسرت، اس کے سوا، اور ہے کیا کہ تمہیں اپنا بناؤں، تمہیں دیکھتا رہوں، پوجا کرتا رہوں تمہاری، تمہیں پانے کے بعد، میں دنیا کا سب سے

باب ۲۴

پیمان وفا

امدو بالکل تندرست تو نہیں ہوا تھا لیکن خطرہ سے باہر ہو چکا تھا مظہر کی رائے تھی، اب کوئی خطرہ نہیں ہے، ویسے بوڑھے اور کمزور تو ہیں ہی، نہ جانے مرض پھر کب حملہ کر بیٹھے یہ الگ بات ہے،

تمر آج کل، بہت مغموم اور رنجور رہنے لگی تھی، وہ باپ کی بیماری سے بھی پریشان تھی، لیکن اس سے زیادہ، وہ اپنے مستقبل کے بارے میں فکر مند تھی، بظاہر شادی کا مسئلہ طے ہو چکا تھا، اور اس طرح، اور ایسے وقت میں طے ہوا تھا، کہ وہ خاموشی کے ساتھ اسے منظور کرنے پر مجبور ہو گئی تھی، لیکن اس کی منظوری، مجبوری کی منظوری تھی، وہ اختر پر جھنجلایا کرتی تھی، کہ اس نے بابا کو ٹال کیوں نہیں دیا، کیوں راضی ہو گیا، شادی پر اس نے شادی پر آمادگی ظاہر کر کے مجھے ایسی مصیبت میں ڈال دیا ہے، جس سے خلاصی کی کوئی صورت نہیں نظر آتی، یہ تو طے ہے کہ شادی ہو گی، اور ضرور ہو گی، میں اپنے بوڑھے، اور لب گور باپ کے دل کو انکار کر کے صدمہ نہیں پہنچانا چاہتی، میں اپنے محبوب اور سرتاج کو بھی اپنے انکار سے پریشان اور مغموم کرنا نہیں چاہتی، یہ بھی سچ ہے کہ اس نسبت اور

"اگر واقعی تم کسی طرح اپنے آپ کو میری بیوی بننے پر تیار نہیں کر سکتیں، تو میں اس کے لئے تیار ہوں کہ شادی سے انکار کر دوں، لیکن اس کے بعد میں کیا کروں گا؟ نہ تم یہ پوچھنا، نہ میں بتا سکوں گا!"

اختر کی ان باتوں میں ایک خطرناک عزم جھلک رہا تھا، قمر سہم گئی اس نے بڑے اضطراب کے ساتھ پوچھا،

"کیا کریں گے آپ؟"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا!"

"آخر ارادہ کیا ہے آپ کا"؟

اختر نے ایک عجیب خود فراموشانہ انداز میں کہا،

"ممکن ہے، میں پاگل ہو جاؤں، ممکن ہے میں خودکشی کر لوں، ممکن ہے میں کہیں روپوش ہو جاؤں، ——— لیکن یہ سب امکانات ہیں واقعہ کیا ہو گا؟ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا!"

قمر سمجھ گئی، اب حالات اس منزل پر پہونچ گئے ہیں کہ میں اپنے عزم و ارادہ پر قایم نہیں رہ سکتی، اگر میں نے اختر کو شادی کے خیال سے باز رکھنے کی مزید کوشش کی تو واقعی یا وہ پاگل ہو جائے گا، یا خودکشی کرلے گا، وہ اگر اختر سے الگ رہنا چاہتی تھی، تو اسی لئے کہ اس کی زندگی کامیاب زندگی ہو، لیکن جب اس نے یہ دیکھ لیا کہ اس کے الگ رہنے میں اختر کی زندگی ہی کے لالے پڑ جائیں گے، تو وہ گھبرا گئی، اس نے ایک عجیب حسین و جمیل انداز میں کہا،

"یہ نہ کہئے، خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کیجئے!"

خوش نصیب انسان ہوں گا، غم میرے پاس پھٹک نہیں سکے گا!"

"میں جانتی ہوں، آپ سچ کہہ رہے ہیں، آپ کے یہی خیالات ہیں، لیکن نہ جانے کیوں دل کو اعتبار نہیں آتا ان باتوں پر، ہر وقت ایک پھانس سی چبھتی رہتی ہے دل میں، اور یہی خیال ہوتا ہے، میں آپ کو خوش نہیں رکھ سکوں گی، میری وجہ سے آپ نت نئی مصیبتوں میں گرفتار ہو جائیں گے!"

"یہ خیال کیوں آتا ہے، تمہارے دل میں؟"

"اس لئے کہ میں بہت دور تک سوچنے کی عادی ہوں، آپ یہ دیکھ رہے ہیں کیا ہے؟ اور میں یہ دیکھ رہی ہوں کہ کیا ہوگا؟ ——— آپ خفا نہ ہوں تو ایک بات کہنے کا جی چاہتا ہے!"

"ضرور کہو!"

"وعدہ کر لیجئے، آپ روٹھ تو نہیں جائیں گے؟"

"وعدہ کرتا ہوں!"

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کسی طرح پیچھے ہٹ جائیں، اور اس معاملہ کو ختم کر دیں"؟

"یہ مشورہ تم مجھے کیوں دے رہی ہو، ذرا بتاؤ تو!"

"اسی لئے کہ آپ سکھ، اور آرام سے رہیں!"

"اگر تم میرا سکھ اور آرام چاہتیں تو ایسی بات زبان پر نہ لاتیں ——— لیکن ایک بات ہو سکتی ہے!"

قمر اختر کا چہرہ دیکھنے لگی، اختر نے کہا،

"سب کچھ ——————"

"کچھ بھی نہیں!"

"آخر آپ کس طرح خوش ہوں گے"؟

اختر کو، قمر کی خوشامد پر رحم آگیا،

اس نے کہا،

"شادی سے! شادی کا وعدہ کرلو، میں ابھی خوش ہو جاؤنگا!"

"تو میں کب انکار کرتی ہوں!"

"لیکن اقرار بھی تو نہیں کرتیں!"

"کرتی ہوں!"

"محض میرا دل رکھنے کیلئے!"

"آپ کا دل رکھنے کیلئے نہیں، اپنے دل کو زندہ رکھنے کیلئے!"

"لیکن تم تو دور رہ کر محبت کرنا چاہتی تھیں، شادی کی مخالف تھیں!"

"تھی —————— لیکن اب نہیں ہوں —————— میں نے فیصلہ کرلیا ہے، کہ میں وہی کروں گی، جو آپ کہیں گے، آپ کو کھو کر میں زندہ نہیں رہ سکتی، آپ کو روٹھا ہوا دیکھتی ہوں، تو میرے دل پر آرے چلنے لگتے ہیں، آپ کو خوش رکھنے کے لئے، آپ کو خوش دیکھنے کے لئے میں سب کچھ کر سکتی ہوں!"

اختر مسکرایا، اس نے کہا،

"سچ کہتی ہو؟"

اختر نے اسی تاثر کے عالم میں کہا،

"بہتر، اب میں زبان سے ایک حرف بھی نہ نکالوں گا!"

قمر رو دی، اس نے کہا،

"آپ نے تو وعدہ کیا تھا کہ خفا نہیں ہوں گے!"

اختر نے بے دردی کے ساتھ کہا،

"مجھے اپنا وعدہ یاد ہے!"

قمر بے بسی کے ساتھ بولی،

"اچھا معاف کر دیجئے، اب میں ایسی باتیں کر کے آپ کا دل نہیں دکھاؤں گی!"

"شکریہ، اس نوازش کا!"

"خوش ہو جائیے آپ ——— میں وعدہ کرتی ہوں، اب آپ کبھی میری زبان سے ایسے کلمے نہیں سنیں گے، ——— میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں، میرے دل میں سوا اس کے کوئی تمنا نہیں ہے کہ آپ زندہ رہیں، خوش رہیں، اور میں آپ کو چاہتی رہوں پوجتی رہوں!"

"مجھے یقین ہے!"

"پھر آپ روٹھے ہوئے کیوں ہیں، ایسی اکھڑی اکھڑی باتیں کیوں کر رہے ہیں"؟

اختر نے کہا،

"میں روٹھ کر تمہارا کیا بگاڑ سکتا ہوں، قمر؟"

اصغر کو آواز دی!

"اصغر؟"

وہ سامنے آکر کھڑا ہو گیا،

"تم شادی میں نہیں شریک ہو گے؟"

"کیوں نہیں سرکار، ذرا سا کام باقی رہ گیا ہے، اسے نپٹا لوں تو جاؤں!"

"ہم چلیں گے"!

"آپ چلیں گے؟"

"ہاں، ہم تمر کی شادی میں شریک ہوں گے ——"

اصغر خاموش کھڑا تھا، کہ پھر خان بہادر نے کہا،

"تم ہمارے ساتھ چلو!"

"جو حکم ہو!"

خان بہادر صاحب اندر گئے، چہرہ پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے، وہ کچھ سوچ رہے تھے، لیکن بالکل خاموش، گھر میں انہوں نے کسی سے بات نہیں کی، چپ چاپ کپڑے بدلے اور باہر آگئے، انہوں نے اصغر سے کہا،

"چلو!"

اصغر ان کے ساتھ ہو لیا، باہر آکر وہ فٹن میں بیٹھے، اور گھوڑا فراٹے بھرتا ہوا، فٹن کو لیکر بھاگ نکلا،

زینب نے اور کلثوم نے مل کر تمر کو دولہن بنایا تھا، آج واقعی

"لیکن اسے کیا معلوم کہ میں نے روپیہ دیا ہے؟ وہ دعا تمہیں دیگا مجھے تو نہیں دیسکتا!"

"لیکن خدا کو تو معلوم ہے سب کچھ، میرے حق میں اس کے منہ سے نکلی ہوئی دعا سرکار ہی کو لگے گی!"

خان بہادر نے حقہ کا کش لیتے ہوئے کہا،

"کس سے ہو رہی ہے شادی؟ لڑکا تو شریف ہے نا؟"

"جی سرکار! بڑا شریف، امدو تو ہر وقت اسی کے گن گایا کرتا ہے! کہتا ہے بڑا غریب اور نیک لڑکا ہے!"

"نام کیا ہے اسکا؟"

"بھلا سا نام ہے ——— ہاں یاد آگیا، ——— اختر!"

خان بہادر نے چمک کر پوچھا،

"اختر؟"

"سرکار!"

"لیکن کون اختر"؟

"یہ تو میں نہیں جانتا سرکار، میں نے تو آج تک اسے دیکھا بھی نہیں سنا ہے، یہیں کچہری میں نوکر ہے تیس چالیس روپیہ مہینہ اسے تنخواہ ملتی ہے، کوٹھہ کا رہنے والا ہے ——— لیکن ہے بڑا نیک!"

اصغر کی ان باتوں سے خان بہادر صاحب کے دل کا شبہ مٹ گیا، اور وہ مطمئن ہو گئے، اصغر انہیں خاموش دیکھ کر آگے بڑھ گیا لیکن نہ جانے دفعتہً ان کے دل میں کیا خیال آیا کہ انہوں نے جاتے ہوئے

بیٹھا تھا کہ مظہر قاضی صاحب کو لیکر آیا، اور انہوں نے آتے ہی خطبۂ نکاح پڑھ کر ایجاب و قبول کرایا اور مظہر نے چھوہارے بانٹنا شروع کر دیئے۔

مظہر چھوہارے بانٹ رہا تھا، اور قاضی صاحب، اپنے رومال اپنا حصہ باندھ رہے تھے، کہ خان بہادر صاحب اصغر کے ساتھ دبدبۂ و جلال کی تصویر بنے ہوئے تشریف لائے، سب سے پہلے اصغر کی نظر اختر پر پڑی، اس نے حیرت کے ساتھ کہا،

"ارے یہ تو اختر بھیا ہیں!"

اب خان بہادر صاحب مسند کے قریب پہونچ چکے تھے، انہوں نے، اختر کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا، اور بہت زور سے قاضی صاحب کی طرف مخاطب ہو کر گرجے،

"یہ شادی نہیں ہو گی، ہرگز نہیں ہو سکتی ——— میں ایک آوارہ، خانہ بدوش اور ذلیل چھوکری کے ساتھ اپنے اکلوتے لڑکے کا بیاہ نہیں ہونے دوں گا!"

قاضی صاحب نے جواب دیا،

"لیکن نکاح تو ہو چکا،"

خان بہادر صاحب نے خان بہادری جتاتے ہوئے کہا،

"کیسے ہو گیا نکاح، میں نہیں مانتا اس نکاح کو ———

اور اگر ہو گیا، تو طلاق سے یہ ٹوٹ بھی سکتا ہے، آپ سب کے سامنے اختر کو ابھی اور اسی وقت طلاق دینی پڑے گی"

یہ آواز قمر کے کان میں پہونچ رہی تھی، اور وہ بلک بلک کر رو

وہ چودھویں کے چاند کو شرما رہی تھی، حسن تھا کہ چھوٹا پڑ رہا تھا، اس کی یہ دونوں سہیلیاں اس کے بناؤ سنگار میں منہمک تھیں، امدو، اسی کمرہ میں چارپائی پر لیٹا ہوا تھا، آج پھر اسے بخار آگیا تھا، بہت تیز بخار، نہ اس سے اٹھا جاتا تھا، نہ بیٹھا جاتا تھا، چپ چاپ بستر پر پڑا ہوا دعا مانگ رہا تھا، کہ یا اللہ اگر موت آج ہی آنی ہے تو اس وقت آئے، جب قمر کا نکاح ہو چکے ——— نیم بے ہوش تھا، لیکن بس یہ خیال اس کے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا، اگر اسے ہوش تھا، تو صرف اسی کا، قمر کی شادی کا،

باہر کے انتظامات خود اختر نے اور مظہر نے سنبھال لئے تھے، نہایت سادگی، اور خاموشی کے ساتھ یہ رسم چند مخصوص احباب کی موجودگی میں منائی جا رہی تھی، اختر نے امدو کو اس پر راضی کر لیا تھا، کہ زیادہ لوگوں کی بلانے کی ضرورت نہیں ہے، اور وہ بھی اپنی جیب کو دیکھ کر اس پر راضی ہو گیا تھا، ابھی گھنٹہ بھر پہلے تک بخار ذرا ہلکا تھا، اور وہ کام کاج میں تھوڑا بہت حصہ لے رہا تھا، لیکن اب بخار نے شدت اختیار کر لی تھی، اور وہ زیادہ سے زیادہ سخت ہوتا جا رہا تھا، لیکن امدو کسی پر اپنی حالت ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا، بیکل تھا، لیکن خاموش وہ چاہتا تھا، کسی طرح رسم نکاح انجام پا جائے، تاکہ دل کا بوجھ اتر جائے، ایک بہت بڑی فکر سے نجات مل جائے، بخار کا کیا ہے آیا ہے، تو اتر بھی جائے گا،

اختر دولھا بنا ہوا، باہر اپنے چند خاص دوستوں کے حلقہ میں

ہوئی آواز میں کہا،

"میں اب مر رہا ہوں ——— میری آخری وصیت یہ ہے، کہ قمر خان بہادر امجد حسین کے یہاں پہنچا دی جائے، ——— اور انہیں بتا دیا جائے، کہ یہ ان کی بھتیجی ہے، ——— بدقسمت احمد کی بدقسمت لڑکی ———"

یہ کہتے کہتے "امدو" یا احمد نے گردن ڈال دی، اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، خان بہادر نے آہ بھائی جان کہہ کر اس کے سینہ پر سر رکھ دیا، اور پھوٹ پھوٹ کر بچوں کی طرح رونے لگے، عین اسی حالت میں قمر کے رونے کی آواز آئی، خان بہادر صاحب اپنی تئیں سنبھالتے ہوئے، اندر پہونچے، انہوں نے قمر کو اپنے سینہ سے لگایا اور کہا،

"میری بچی کب تک روئے جائے گی، کچھ آنسو اپنے گنہ گار چچا کے لئے بھی تو رہنے دے!"

اور یہ کہہ کر وہ خود بھی رونے لگے، اختر سامنے کھڑا تھا، لیکن حیران، آنکھوں میں آنسو چہرے پر حیرت!

تمام شد

رہی تھی، یہ آواز امدو کے بھی کان میں پہونچی، وہ اسی بخار کی حالت میں، لاٹھی ٹیکتا ہوا، باہر آیا، وہ آگے بڑھتا جا رہا تھا اور زور زور سے غصہ کے عالم میں کہہ رہا تھا،

"کون ہے جو میری لڑکی کو ذلیل کہہ رہا ہے؟ کون ہے جو میری بچی پر تہمت لگا رہا ہے؟ کون ہے جو ——————

لاٹھی پھسلی، اور وہ لڑکھڑاتا ہوا، یکبارگی فرش پر گرا، اس کے سر سے خون کا فوارہ چھوٹنے لگا،

اس دلدوز حادثہ نے خان بہادر صاحب کے دل پر بھی اثر کیا، انہوں نے اختر کا ہاتھ چھوڑ دیا، اور امدو کی طرف لپکے، ان کے ساتھ ہی، اختر، مظہر، اور دوسرے لوگ بھی بڑھے۔ اور امدو کی دیکھ بھال کرنے لگے، مظہر نے نبض دیکھتے ہی کہدیا، یہ اب بچ نہیں سکتے، اس عمر اور بیماری میں اتنا خون نکل جانے کے بعد، ان کی زندگی قطعاً ناممکن ہے،

خان بہادر صاحب پر اس وقت ندامت طاری تھی، وہ امدو کے پاس بیٹھے سوئے تھے، اور مظہر اس کی مرہم پٹی کر رہا تھا، امدو کے منہ سے ایک آہ نکلی، خان بہادر صاحب نے اس کے سینہ پر جھک کر کہا،

"مجھے بڑا افسوس ہے،"

امدو نے آواز سے پہچان لیا، کہ یہ اسی سورما کی میٹھی اور نرم آواز ہے، جو ابھی ابھی شیر کی طرح گرج رہا تھا، اس نے اکھڑی

حیات محمد علی جناح

ہندوستان کے نامور ادیب و سوانح نگار رئیس احمد جعفری جنھوں نے بارہ سال قبل رئیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم کے سوانح حیات ترتیب دئے تھے۔ انھوں نے آج دوسرے محمد علی یعنی **قائد اعظم** کے سوانح حیات مرتب فرمائے ہیں۔ یہ کتاب نہ صرف قائد اعظم کے سوانح حیات کا بے نظیر مرقع ہے بلکہ اسلامیان ہند کی مکمل تاریخ ہے۔ تقسیم بنگال اور مسلم لیگ کی داغ بیل ڈالے جانے سے وزارتی وفد کی تجاویز اور مسلم لیگ کے فیصلے تک ملک کے تمام اہم واقعات و حادثات درج ہیں۔ اس کے مطالعہ کے بعد ہر شخص نہ صرف ہندوستان کی اسلامی سیاست سے بلکہ برادران وطن کی مکاریوں اور فریب کاریوں اور ان کے بوگس پراپیگنڈے سے بخوبی واقف ہو سکتا ہے۔ نہایت نفیس طباعت، حجم معہ تصاویر پونے نو سو صفحات . . . . . .

قیمت صرف سات روپے آٹھ آنے

باغی

رئیس احمد جعفری کا حیرت انگیز و حیرت آفریں ناول قیمت چار روپے بارہ آنے

کتب خانہ تاج آفس محمد علی روڈ بمبئی ۳

نوٹ:۔ رئیس احمد جعفری کی تالیف "سیرت مولانا محمد علی علیہ الرحمۃ" زیر طبع ہے قیمت چھ روپے